سال سوم نمبر ۱   مقام اشاعت پٹی ضلع لاہور   ایل نمبر ۲۷۴۶

ایمان

اپریل ۱۹۳۵ء

مرتبہ

قاضی عبدالمجید قرشی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عید قرباں اور میراث ابراہیمی

(از مولانا راغب احسن صاحب ایم۔ اے۔ کلکتہ)

عید قرباں ہمارے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی راہ حق میں عظیم الشان قربانیوں کی عظیم الشان یادگار ہے۔ لازم ہے کہ اُس کی حقیقت اور روحیت کو سمجھا جائے۔ حضرت ابراہیم تاریخ عالم میں کون ہیں اور کیا ہیں؟ دنیا کو وہ کیا دے گئے اور انسان کے لئے کیا چھوڑ گئے؟ مسلمانوں کے ساتھ اُن کا کیا خاص تعلق ہے؟ میں ان سوالات کا مختصراً جواب دونگا!

عہد ابراہیمؑ کی دنیا

آج سے قریباً پانچ ہزار سال پہلے کلدان میں آذر نامی ایک بُت تراش اور بُت فروش کے ہاں ابراہیمؑ نامی ایک بچّہ پیدا ہوا۔ کلدانی ایک متمدن قوم تھی۔ ایک زبردست سلطنت رکھتی تھی۔ تخت حکومت پر ایک جابر شخصیت حکمران تھی۔ عراق میں مقام "اُور" میں حال ہی میں اُن کے بہت سے آثار دریافت ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے بادشاہ جن کا لقب نمرود ہوتا تھا" خداوندی کے مدعی ہوتے تھے۔ یہ امر شاہانِ کلدان ہی سے [illegible] نہیں تھا۔ اس عہد میں قریب قریب تمام فرعونوں، تمام نمرودوں اور

تمام شاہان دنیا کا یہی دستور تھا کہ وہ اپنی حاکمیت کے ساتھ ساتھ اپنی خدائی کے بھی دعویدار رہتے تھے۔ اُن کی تخت گاہیں اور دربار شخصیت پرستی کے مندر تھے۔ وہ اپنی عبادت کراتے تھے اور لوگ اُن کے آگے سجدہ کرتے تھے۔ اور بلا چون وچرا ان کی تمام جائز وناجائز باتوں میں ان کی اطاعت کا دم بھرتے تھے۔ یہ تو دنیا کا سیاسی مذہب تھا اور بلاشبہ اُس نے زندگی کے کسی گوشہ کو بھی اپنے مہلک اثرات سے محفوظ نہیں رکھا تھا۔ دنیا کا مذہبی نظام بالکل خراب وخستہ اور ابتر وفاسد تھا مظاہر فطرت کی پوجا اور انسانوں کی بندگی کا عام رواج تھا۔ چند ایک اہل علم گوشۂ جنگل میں دنیا سے علیحدہ پڑے رہتے تھے اور ترک دنیا ہی کو روحانی کمال جانتے تھے، وہ گویا انسانوں سے مایوس تھے اور زندگی کے جال سے جلد از جلد نکلنا چاہتے تھے۔ آبادیوں میں صرف خود پرست پروہتوں کا راج تھا۔ کاہنوں اور جادوگروں کا بھی عام رواج تھا۔ یہ سب کے سب عوام کی دماغی پستی پر زندہ تھے اور اوہام کی روٹی کھاتے تھے۔ اہل عراق جن میں "بابلی" "کلدانی" اور "آشوری" سب سے نمایاں ہیں بت پرستی اور ستارہ پرستی کا مذہب رکھتے تھے۔ ابراہیم کی پیدائش کے پہلے دنیا کے تمام مذاہب:۔

(۱) اولاً خداؤں کی کثرت۔

(۲) دوم۔ آدمی کی نوعی تقسیمات کی کثرت۔

(۳) سوم۔ ظالمانہ وخونخوارانہ قربانیوں کی کثرت۔

پر مبنی تھے۔ لوگ اَن گنت خداؤں کو پوجتے تھے۔ انسان انسان کو پوجتا تھا، آدمی آدمی کو قربانی دیتا تھا، جغرافیہ اور نسل نے انسانوں کو گروہوں، ٹولیوں اور قوموں میں تقسیم کر دیا تھا اور یہ انسانی ٹولیاں، اپنے محدود جغرافی خطوں میں (جو پہاڑوں، دریاؤں، ریگستانوں اور سمندروں سے منقطع تھے) اور قومی تعصبات، اقتصادی مفاد اور سیاسی تقسیمات کی چار دیواریوں میں اتنی سختی سے بند ہو گئیں کہ انھوں نے اپنی

اصلی وحدت و نوعی یکجائی کو قطعاً فراموش کر دیا گیا تھا اور خدا کے بندے اپنی وحدت کی سرچشمے سے بے خبر تھے اور بیک وقت اپنے خالقِ واحد اور خلقتِ واحد کی دو بنیادی سچائیوں سے غافل تھے۔ اس نوعی تقسیم و تفریق سے مذہب بھی نہیں بچ سکا تمام قدیم مذاہب قومی مذاہب تھے۔ اُن کے خدا قومی دیوتا اور قومی ہیرو تھے۔ حتیٰ کہ اُن کے خداؤں کے گھر بھی اُن کے جغرافی حدود میں بند تھے۔ کوہ الپس ہمالہ اور مانسرور انھیں جغرافی خداؤں کے گھر ہیں۔ ان احوال کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ خدا کے بندوں کا ایک گروہ دوسرے گروہ کو چیرتا اور پھاڑتا تھا۔ قومی دیوتاؤں اور قومی ہیرؤں کی غلامی کا دم بھرتا تھا۔ اسی کو مذہب جانتا تھا۔ اُسی پر فخر کرتا تھا اور اُسی میں اپنی دینی و دُنیوی نجات و فلاح تصور کرتا تھا۔

تاریک ترین گھڑی میں طلوعِ ایمان

دنیا کے ایک ایسے تاریک عہد میں' ابراہیمؑ ایک بُت فروش کے گھر پیدا ہوا۔ تنگ و تاریک غاروں میں پرورش پائی کیونکہ نمرودِ وقت نے تمام بچوں کے قتل کا حکم دے دیا تھا۔ اصل اس کی یہ تھی کہ نجومیانِ دربار نے اُسے اطلاع دی تھی کہ ایک ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے جو تیری خداوندی اور تیرے دین کو غارت کرنیوالا ہوگا۔ اس پر ظالم نمرود نے تمام نوزائیدہ بچوں کے قتل عام کا فرمان دیدیا۔ لیکن نمرود بھلا مشیتِ الٰہی سے کیونکر بچ سکتا تھا۔ وہی ہوا جو ہونے والا تھا۔ جب ابراہیمؑ ہوشمند ہوا تو ماں باپ سے اُس نے دریافت کیا "ہمارا رب کون ہے؟" ماں نے جواب دیا "تیرا باپ" لیکن سلیم القلب اور روشن ضمیر ابراہیمؑ جو قدرتِ الٰہی سے تمدنی زندگی کی تمام آلائشوں اور گمراہیوں سے محفوظ رہا تھا اور فطرتِ اسلام پر پیدا ہوا تھا' اس سے مطمئن نہیں ہوا۔ اُس نے پھر سوال کیا "اور میرے باپ کا کون رب ہے؟" "نمرود جو تیرا قومی پادشاہ ہے" ماں کا جواب تھا۔ لیکن آخر نمرود کا کون رب ہے؟ بے چین ابراہیمؑ نے مضطربانہ سوال کیا۔ وہ اپنی فطرتِ سلیم کے ساتھ چیزوں کی حقیقت اور کائنات کی اصلیت کا جویا تھا۔ وہ سچائی کا پیاسا تھا اور بار بار

اسی نوع کے سوالات اپنے والدین سے کرتا تھا۔ وہ اس قسم کی خطرناک باتوں سے بہت پریشان تھے۔ جب کسی طرح تسکین حاصل نہیں ہوئی تو آشفتہ و پریشان ابراہیمؑ غار سے باہر نکل آیا۔ اور جو صداقت اپنے والدین سے حاصل نہیں کر سکا تھا اُسے کتاب فطرت کے مطالعہ سے حاصل کرنا چاہا۔ رات کا سماں تھا۔ تاریکی نے دنیا کو ڈھانپ لیا تھا۔ آہ یہ کیسی تاریکی تھی کہ اس کا راج عالم ظاہر و باطن میں یکساں قائم تھا۔ ابراہیمؑ بے چینی سے ٹہل رہا تھا کہ اُس کی نگاہ ایک تابناک ستارے پر پڑی اور وہ پکار اُٹھا "یہ ہمارا رب ہے" اُسکی بے چینی اب کسی قدر کم تھی کیونکہ اُس کے سفینۂ دل نے اپنا ایک سُکان پا لیا تھا لیکن وہ پوری طرح ساکن بھی نہیں تھا۔ کئی گھنٹے گذر گئے اور یونہی عالم خموشی و تاریکی میں ٹہلتا رہا، اتنے میں چودھویں کا روشن چاند طلوع ہوا اور اس کی طلعت زیبا کی ضیاپاشیوں نے دنیا کو ایک سمن زار بنا دیا۔ اس کی غالب روشنی میں ستارہ گم ہو گیا اور ابراہیمؑ نے اپنا معبود کھو دیا۔ لیکن وہ بغیر اُس کے رہ کیونکر سکتا تھا، اب چاند اُس کا رب تھا کیونکہ یہ ستاروں سے روشن تر تھا۔ صبح تک وہ اُسی خدا کی بندگی کرتا رہا کہ اُس نے دیکھا کہ تاریکی کافور ہو رہی ہے، ہلکی ہلکی صباحت عالم پر پھیلتی جا رہی ہے۔ ستارے بہت سے ڈوب چکے ہیں اور جو باقی ہیں، ٹمٹما رہے ہیں، حتیٰ کہ ابراہیمؑ کا "معبود" بدر منیر زرد پڑ گیا ہے اور اس کی روشنی زائل ہو رہی ہے، نہیں بلکہ ہر شئے پر ایک انقلاب طاری ہے۔

یہ کیا ہے جو ہو رہا ہے؟ اس سوال نے ابراہیمؑ کو پھر بے کل کر دیا۔ اُس کی زندگی خوفِ نمرود سے غاروں میں گذری تھی، اس نے صبح، شام اور روز روشن کا کوئی منظر اب تک نہیں دیکھا تھا، وہ صرف رات کو تھوڑی دیر کے لئے غار سے باہر نکالا جاتا تھا، اس لئے وہ نئے مشاہدات سے حیران تھا۔ ابھی اُس کی حیرانی ختم نہیں ہوئی تھی کہ آفتاب عالم تاب اُفقِ مشرق سے طلوع ہوا، چاند اور ستارے غائب ہو گئے اور دنیا روشنی سے بھر گئی۔ جب ابراہیمؑ کی پہلی حیرانی ختم ہوئی تو وہ پکار اُٹھا "یہ ہمارا رب ہے کیونکہ یہ سب سے بڑا اور سب سے روشن ہے"

اب وہ سورج کے سامنے سربسجدہ تھا۔ سارا دن وہ اسی نیّرِ اعظم کی پرستش کرتا رہا کہ اُس نے دیکھا کہ سورج اوپر چڑھتے چڑھتے اب نیچے ڈھل رہا ہے۔ اُس کے مقام، حال، اور روشنی میں تغیر ہو رہا ہے۔ اُس کی خیرہ کن درخشانی ختم ہو گئی ہے، وہ زرد پڑتا جا رہا ہے، صحرا میں سکوت پھیلتا جا رہا ہے، ہر شئے پر ایک طرح کی اُداسی چھیل رہی ہے، سورج اب افق سے آ لگا ہے نہیں بلکہ وہ تیزی سے غروب ہو رہا ہے، دیکھتے ہی دیکھتے وہ ابراہیمؑ کی نظروں سے اوجھل ہو گیا اور دنیا کو تاریک لیکن قلبِ ابراہیمؑ کو روشن کر گیا، کیونکہ وہ اب پکار رہا تھا "میں گھٹنے اور بڑھنے، اُٹھنے اور ڈوبنے والی فانی چیزوں کو دوست نہیں رکھتا، ہمارا رب تو یقیناً وہی ہے، جس نے آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ اُن میں ہے، سب کو پیدا کیا ہے، ہم اُسی کی عبادت کرتے ہیں، اُس کا کوئی شریک نہیں ہے، ہم سب سے کٹ کر اُس سے اپنا رشتہ جوڑتے ہیں، اُسی کے ہو جاتے ہیں، اور اپنا سب کچھ اُسی کے حوالہ کرتے ہیں۔ اور ہم اوّل مسلم ہیں۔"

آہ! یہ کیا غروبِ آفتاب تھا جس نے ابراہیمؑ کے قلب کو مطلعِ انوار بنا دیا، یہ وہی تھا جس کے بارے میں کہا گیا ہے ؎

وہ سکوتِ شام صحرا میں غروبِ آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشمِ جہاں بینِ خلیل

آخر وہی ہوا جس کی خبر نجومیوں نے پہلے سے دی تھی، ابراہیمؑ نے بُت پرستی، ستارہ پرستی، اور مظاہر پرستی کے دینِ باطل کے خلاف اعلانِ جنگ دیدیا، اور پھر بادشاہ پرستی کے سیاسی مذہب سے بھی بغاوت کر دی، توحید کے آوازہ سے عالم میں غلغلہ ڈال دیا، بُت خانوں کو مسمار کیا اور ہر نوع کی ماسوا پرستی، ہر نوع کے شرک کو بیخ و بن سے اکھاڑنے اور وحدت کے قائم کرنے کو آئندہ کے لئے اپنا مذہب اور وظیفۂ حیات قرار دیا۔ طرح طرح کی آزمائشوں میں ڈالا گیا، اور پورا اُترا، ہر قسم کی قربانی اُس سے طلب کی گئی اور اُس نے ادا کی، میراثِ ابراہیمی کا خلاصہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔ یہ تفصیل کا محل نہیں ہے صرف مختصراً اُن کی

حیات طیبہ کے عطر کو پیش کش ناظرین کیا جاتا ہے۔

توحید الٰہی کی دعوت

(الف) حضرت ابراہیمؑ نے سب سے اول خالص توحید کی تعلیم اہل دنیا کو دی۔ خدا کی
ہستی کو تمام حواسی و جسمانی مثالوں سے اعلیٰ اور مقدس اور منزہ ثابت کیا۔ انھوں نے
دنیا کے بتکدے میں خدا کا وہ پہلا گھر تعمیر کیا جو حرم مکہ کہلاتا ہے اور جو اس دنیا میں تمام
پیروان اسلام کا قبلہ ہے۔ حضرت ابراہیم دنیا کی تاریخ میں صاف اور سلیس عقیدۂ توحید و
تنزیہہ الٰہی کی تحریک اعظم کے مرکز ہیں جس طرح ان کا حرم مکہ آج دنیا کے پیروان توحید کا مرکز
و قبلہ ہے۔ ابراہیمؑ اپانیشد اور فیثاغورس کی قیاس آرائی اور فلسفہ سکھانے نہیں آئے
تھے بلکہ ایک روشن اور صاف مذہب حق دنیا کو دینے آئے تھے جس کی وہ پیاسی تھی۔ پس
انھوں نے دنیا کو سکھایا کہ آسمانوں اور زمینوں کا رب ایک اللہ ہے۔ وہی عبادت اور عشق
کے لائق ہے۔ وہی ہماری چاہتوں اور قربانیوں کا سزاوار ہے۔ اس کے سوا اور کوئی
آقائی اور مالکیت نہیں رکھتا ہے۔ سب اس کی خواہی نخواہی بندے اور تابع ہیں۔ کائنات
فطرت کا ہر ذرہ اس کی تقدیر کے آگے سرفگندہ ہے۔ ہر حیوان مطلق طوعاً و کرہاً اس کی قوانین
فطرت کا محکوم ہے۔ حیوان ناطق (انسان) کو اس نے عقلیت اور ضمیر کے شرف سے اشرف
المخلوقات بنایا ہے۔ ارادہ اور حریت عطا کی ہے تاکہ وہ ان سے صحیح و صالح کام لے کر فلاح
پائے۔ جو انسان، عقل و ارادہ، اور ضمیر و ولولہ کے ساتھ اس کے آگے اپنے آپ کو حوالہ کر دیتا
ہے، وہ دونوں جہانوں میں فائز المرام ہوتا ہے۔ رب العالمین کی بندگی میں دونوں جہانوں
کی سرداری اور بڑائی کا راز پوشیدہ ہے۔ پس جو اس کا ہو جاتا ہے سب اس کے ہو جاتے
ہیں، جو اس سے صلح کر لیتا ہے سب اس کے ساتھ صلح کر لیتے ہیں۔ وہ سراپا عدل ہے، یکسر
محبت ہے، فلاح و صلاح کا منبع ہے اور صلح و سلام کا سرچشمہ ہے، لیکن وہ احکم الحاکمین

اور واحد القہار بھی ہے، قادر مطلق بھی ہے اور زمان و مکان سے اعلیٰ و بالا بھی ہے
پس اُس کے آگے جھکنے اور سرنگندہ ہونے کے معنی اُٹھنے اور سربلند ہونے کے ہیں۔ اور
اُس کی راہِ حق میں سب کچھ تیاگنے کا نام سب کچھ پالینا ہے اور اس کی راہ میں مٹنے کا نام
زندۂ جاوید ہو جانا ہے۔ یہی دینِ ابراہیمی ہے اور اسی کو "دینِ حنیف" اور "اسلام" کہتے ہیں
اور یہ دنیا کے لئے سب سے بڑی اور سب سے پہلی میراثِ ابراہیمی ہے۔

توحید انسانی کی دعوت

(ب) ثانیاً حضرت ابراہیمؑ نے گمراہ دنیا کو بتا دیا کہ:۔

ایک اصلیت میں ہی تھیں رواں زندگی　　گر کے رفعت سے ہجوم نوعِ انسان بن گئی

نوعِ انسانی ایک خالق کی مخلوق ہے اور ایک ہی سوتِ اعلیٰ کا بکھرا ہوا گھرانا ہے
سب لوگ "خلق اللہ" اور کل آدمی "بنی آدم" ہیں پس قومی خداؤں کا مذہب باطل اور قومی
تفوق وتفاخر کا طریقہ جہالت ہے۔ خدا کی بندگی میں جو لوگ جتنا نہیں وہی درحقیقت اس کی
نگاہ میں برگزیدہ ہیں۔ قوموں کی فطری اونچائی اور فطری نیچائی کا خیال غلط ہے، انسان
انسان کا خدا نہیں ہو سکتا ہے، کل بنی آدم بحیثیت نوعی و اصلی ایک ہیں، برابر ہیں اور
بھائی بھائی ہیں، اُن کا فرض ہے کہ ایک خالق کی پوجا کریں اور آپس میں بھائی چارہ رکھیں
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس دینِ حق کو خود پالینے کے بعد اپنی کلدانی قوم کے آگے
پیش کیا لیکن جب انھوں نے سرکشی سے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا بلکہ اُن کے
ستانے پر تُل گئے تو آپ نے ان کے قومی دیوتاؤں کو پاش پاش کر دیا اور اُن کے قومی پادشاہ
کی خداوندی کے خلاف بغاوت کر دی جس پر کلدانیوں نے آپ کو آگ میں جھونک دیا لیکن
ایمان ابراہیمی جو خود جہنم کو خاکستر کر دینے پر قادر تھا، نارِ نمرود پر غالب آیا۔ آخر میں ابراہیمؑ
نے راہِ حق میں خاندان "قوم" اور وطن کے تمام علائق کو قربان کر دیا، ارض کلدان و بابل کو

خدا حافظ کہا۔ وہ اب قومی بندشوں کی تنگنا اور جغرافی حدود کے حصار میں بند نہیں تھا بلکہ اس کی بصیرت اتنی وسیع ہو چکی تھی، جتنی وسیع خود انسانیت ہے، جتنی وسیع یہ کائنات ہے، نہیں بلکہ جتنا وسیع رب السماوات والارض ہے، اسلئے کہ اب اس نے اپنے آپ کو اسی "کرانِ بے کراں" میں گم کر دیا تھا، خدا کا کرۂ ارضی ان کے سامنے کھلا تھا، اس کی سطح پر بے شمار قومیں بستی تھیں اور وہ سب کی سب اس کی نگاہ میں خدا کی یکساں مخلوق، اس کی ربوبیت سے یکساں فیضیاب اور اس کے دین حق کی یکساں مستحق تھیں، پس وہ خدا کی زمین پر خدا کے بندوں کو خدا کی وحدت کی تعلیم دینے کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور اپنی بقیہ زندگی، شام، فلسطین، مصر، اور عرب کی مختلف قوموں میں پیغام توحید پہنچانے میں صرف کر دی۔ آخری عمر میں آپ کو خدا نے اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ دو فرزند عطا فرمائے تا کہ ان کے بعد توحید الٰہی کی تحریک ان کی خلافت میں زندہ رہ سکے۔ اسمٰعیلؑ بی بی ہاجرہ سے پیدا ہوئے، آپ حضرت ابراہیمؑ کی پہلی اولاد تھے اور چونکہ بڑی تمناؤں اور دعاؤں کے بعد پیدا ہوئے تھے اس لئے آپ کا نام اسمٰعیلؑ رکھا گیا جس کے معنی ہیں "سن لیا گیا" یعنے خدا نے ابراہیمؑ کی دعا کو سن لیا اور قبول کیا۔ حضرت اسمٰعیلؑ سے بنی اسمٰعیل اور قریش مکہ ہوئے، جن سے ملت ابراہیم کی صفائی اور تکمیل کے لئے دنیا کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مبعوث کئے گئے۔ حضرت اسحاق شام میں رہے اور ان کی نسل سے بنی اسرائیل ہوئے، جن میں یوسفؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور دوسرے انبیاء کرام پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیمؑ کی بے مثال قربانیوں سے اور راہ حق میں کامل اخلاص و بے نفسی کی صفت سے اللہ تعالیٰ اتنا خوش ہوا کہ اس نے فرمایا کہ اب آئندہ دنیا کو تیری ہی نسل سے ہدایت پہونچے گی، اور رسالت کا منصب تیری ہی اولاد کے لئے خاص کر دیا گیا۔ بنی اسرائیل نے اس شرف کی عزت کو نہیں سمجھا اُنہوں نے اس کے یہ معنی لئے کہ وہ تمام قوموں سے نسلاً و فطرتاً اشرف ہیں اور اساسِ شرف یعنی "اسلام اور تقویٰ" کو اس نے فراموش کر دیا، رفتہ رفتہ یہ قوم بھی اور قوموں کی طرح ایک تنگ نظر قوم

بن گئی اور اس نے اپنے مذہب کو ایک قومی مذہب بنا لیا۔ بڑے بڑے انبیاء کرام واقعی اُن میں آئے لیکن یہ قوم توحید کی اشاعت تو کجا اپنے آپ کو مشرکانہ اعمال سے بھی پاک نہ کر سکی۔ حتیٰ کہ عیسائیوں نے توحید کو تثلیث سے بدل دیا اور بے شمار اوہام و خرافات کو رومی و یونانی کافر قوموں سے لیکر جذب کر لیا۔ آخر خدا نے بنی اسمٰعیل سے مطابق میثاق ابراہیمؑ و بشارت موسیٰؑ و عیسیٰؑ محمد رحمۃ العالمین کو پیدا کیا جنہوں نے ابراہیم کی ملت حنیف کو دنیا میں زندہ اور مکمل فرمایا۔ لیکن یہ تو سورج کی طرح روشن ہے کہ خالق کی وحدت کے ساتھ انسانیت کی اصلی و نوعی وحدت کے عقیدہ کو سب سے اول ہمارے دادا حضرت ابراہیمؑ ہی نے دنیا میں قائم فرمایا ہے۔ وحدتِ الٰہی کا عقیدہ گویا وحدتِ انسانی کے عقیدہ کا احساس ہے اور وحدت انسانی کا مذہبی عقیدہ دوسری میراث ابراہیمی ہے

قربانی کی دعوت

حضرت ابراہیم کی زندگی مجاہدات کی زندگی ہے۔ وہ اول سے آخر تک ایک مسلم ہیں اور خدا کی راہ میں کسی نوع کی قربانی سے دریغ نہیں فرماتے ہیں۔ خاندان، قوم اور وطن کی قربانی کا مختصر ذکر ہو چکا ہے۔ لیکن اُن کی ساری زندگی راہ اسلام میں قربانیوں پر مشتمل ہے۔ جب ہر طرح کے مصائب و ابتلا میں ڈال کر خدا نے آپکے جوہر ذاتی کو خوب پاکیزہ و روشن بنا دیا تو آخر عمر میں آپ سے دو بڑی قربانیوں کا مطالبہ کیا۔ اول آپ کو حکم ہوا کہ ہاجرہ اور ان کے ننھے بچے اسمٰعیل کو عرب کی "وادی غیر ذی زرع" میں چھوڑ آئیں۔ حضرت ابراہیم کو بی بی ہاجرہ سے بہت الفت تھی، اور اسمٰعیل کے بارے میں کیا کہنا؟ وہ تو آپ کے لخت جگر تھے ساری عمر کی کمائی تھے اور ہزاروں دعاؤں اور التجاؤں کے حاصل تھے۔ لیکن ابراہیمؑ کی تمام چاہتوں پر خدا کی چاہت غالب تھی۔ وہ بے شک انسان تھا اور انسانی جذبات و حسیات اور مرضی واردات رکھتا تھا لیکن سب سے اول اور سب سے اوپر وہ خدا کا بندۂ مسلم تھا اور

اُس نے اپنے جسمانی و روحانی قواء کو مرضیٔ الٰہی کے تابع کر لیا تھا۔ پس اُن کو یقین تھا کہ اس حکم میں علاوہ ہماری آزمائش کے ضرور کوئی بڑی مصلحت الٰہی پوشیدہ ہے جس پر ہماری محدود عقل احاطہ نہیں کر سکتی۔ انھیں یقین تھا کہ خدا کی چاہت کبھی اپنے بندۂ مسلم کی بربادی کو نہیں چاہ سکتی ہے؛ اُن کو یقین تھا کہ خدا کبھی ہماری تمنا کو جو اُس کے دین حق کی تکمیل واشاعت کے بارے میں ہے ضائع نہیں کریگا۔ اور یہ عظیم جسمانی فصل کسی عظیم روحانی وصل کا سرچشمہ ثابت ہوگا۔ آزمائش کا پہلو تو ظاہر تھا۔ وہ اسمٰعیل کی پیدائش کے بعد سے اُن کی والدہ پر زیادہ ملتفت تھے اور قدرتاً اپنے بچہ کو بہت چاہتے تھے۔ پس خدا نے چاہا کہ "ابراہیم حنیف" کی پدری والی چاہتوں کے مقابلہ میں اپنی چاہت کا امتحان لے اور دیکھے کہ آیا ابراہیمؑ وہی ہے یا اب نئے علائق میں پھنسکر بدل چکا ہے؟ لیکن خدا نے دیکھ لیا کہ اُس کا بندۂ مسلم صادق تھا۔ وہ اگر خدا کے حکم سے اپنے باپ ماں اور قوم و وطن سے جدا ہو نے کے لئے تیار تھا تو وہ اپنے عزیز بچہ اور بیوی سے علیحدہ ہونے کے لئے بھی اُسی صدائے لبیک کے ساتھ مستعد تھا۔ اُس نے ہاجرہ اور اسمٰعیل کو صفا اور مروہ پر لے جاکر خدا کے سپرد کر دیا۔ خدا کی قدرت سے وہاں زمزم جاری ہوگیا اور رفتہ رفتہ وہاں ایک بستی بس گئی حضرت ابراہیم خدا کے حکم سے شام سے جہاں وہ اپنی دوسری بیوی سارہ کے ساتھ رہتے تھے، اکثر ہاجرہ و اسمٰعیل کو دیکھنے کے لئے آنے جانے لگے۔ اس مقام کا نام مکّہ پڑ گیا۔ اس کی آبادی ایک بنجر ریگ زار میں ہے جس کو قرآن نے "وادی غیر ذی زرع" کا نام دیا ہے۔ لیکن کسے معلوم تھا کہ یہ مقام ویران ایک دن "بلد الامین" "ام القریٰ" اور قبلۂ عالم ہوگا۔

ذبح عظیم

جب اسمٰعیل چلنے پھرنے لگے اور ہوشیار ہوئے تو خدا نے ابراہیمؑ سے آخری اور سب سے بڑی قربانی طلب کی۔ حکم ہوا کہ میری راہ میں سب سے عزیز متاع کو قربان کر دو۔ حکم صاف تھا

اور اس کا معنیٰ بھی عیاں تھا، خدا در اصل ابراہیم کو حکم دے رہا تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنی سب سے عزیز تمنا کی گردن پر چھری پھیر دیں۔ ابراہیمؑ کے ایمان، ارادہ اور عشق نے فوراً ہی فیصلہ کر دیا کہ اسمٰعیلؑ کو راہ حق میں قربان کر دینا چاہیئے۔ اسمٰعیل کی قربانی کے معنے ابراہیمؑ کی دعائے مقبول کی قربانی تھی۔ اُس نے دعا کی تھی کہ دینِ حنیف کا ایک وارث پیدا ہو جو دنیا کے لئے منبع ہدایت ہو اس لئے اسمٰعیل کی قربانی جو اس دعائے ابراہیمؑ کی اجابت تھی، در اصل راہ اسلام و توحید میں ابراہیمؑ کی بہترین تمناؤں کی قربانی تھی تاہم خود اُس مولیٰ کا حکم آ گیا جس کے نام کی عظمت کے لئے وہ تمنا وجود میں آئی تھی، تو ابراہیمؑ بے چون و چرا اُس کی مرضی کے آگے جھکنے پر راضی ہو گئے۔ آپ نے سب سے پہلے اسمٰعیل سے اس کا ذکر کیا اور اس عالی شان پیغمبر زادہ نے کہا "میں اللہ کی راہ میں قربان ہونے کو تیار ہوں، آپ اللہ کا حکم بجا لایئے، انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے" اس کے بعد آپ نے اپنی اور بیٹے کی آنکھوں پر پٹی باندھی، پھر اللہ کا نام لیکر اسمٰعیلؑ کے حلقوم نازک پر خنجر پھیر دیا، لیکن آنکھوں سے پٹی کو کھولا تو پردہ چاک تھا۔ اور حقیقت بے نقاب تھی، اسمٰعیل کی جگہ ایک مینڈھا ذبح ہو چکا تھا اور غیب سے ندا آ رہی تھی:- اے ابراہیمؑ ابس کر تم نے بلاشبہ خواب کو سچ کر دکھایا، ہم نے محسنین کے لئے بڑا اجر رکھا ہے، حقیقتاً اس تمہا ہی میں ایک روشن امتحان تھا، ہم نے ایک "ذبح عظیم" (قربانی کا جانور) اُس کے عوض تم کو دیا اور ہم نے اس "ذبح عظیم" کو مابعد کی تمام نسلوں کے لئے ایک یادگار بنا دیا تاکہ ہمارے بندۂ مسلم، ابراہیم پر درود و سلام ہو"

قربانی کی روحیت کی صفائی

اس "ذبح عظیم" نے بیک وقت دنیا کو سچی قربانی کی روحیت سے بھی آشنا کر دیا اور ساتھ ہی قربانی کے طریقہ کو بھی صاف کر دیا قربانی کی روح تو یہ کہ خدا ہماری ساری

کائناتِ ہستی کو تنہا اپنے لئے چاہتا ہے۔ جان و مال، خاندان و قوم، وطن و حکومت نماز و نیاز بیوی اور بچہ اور تمام قواء و ارادات اور جذبات و شہوات کو اپنی راہ میں سونپنے اور حوالہ کر دینے کا حکم دیتا ہے اور اس منزلِ فنا فی اللہ کو مقامِ حنفیت اور طریقۂ اسلام قرار دیتا ہے۔ لیکن یہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ رب العالمین، نفس کے حقوق اور جماعت کی تکلیفات کو باطل نہیں کرتا ہے، بلکہ اُن کو شریعت الٰہی کا تابع اور اصول اسلام کا معمول قرار دیتا ہے۔ وہ الحب فی اللہ اور البغض فی اللہ کا طریقہ بتاتا ہے اور چونکہ خدا منبعِ عدل و سلام اور سرچشمۂ شفقت و فلاح ہے اس لئے اُس کی راہِ حق میں محبت و بغض رکھنا، نفسانیت و شر سے بہرحال پاک اور صواب و عدالت سے بہرصورت قریب ہوگا اور یہی واحد طریقۂ فلاح ہے۔ اس ذبح عظیم نے دنیا کو بتایا کہ جس طرح ساری عبادتوں کا واحد سزاوار ایک اللہ ہے۔ اسی طرح تمام طرح کی قربانیاں صرف اللہ پاک کے لئے ہونا چاہئیں۔ لیکن یہ قربانی کسی بے معنی رسم کا نام نہیں ہے۔ یہ کوئی خاص دن اور خاص تہوار بھی نہیں ہے بلکہ یہ ایک بندۂ مسلم کے کمال عبدیت اور انتہائے اسلام کی روح کا مظہر ہے۔ یہ اس بات کا عہد ہے کہ ایک انسان اپنے ساری جسم و جان، قواء ارادات اور جذبات و شہوات کو خدا کی راہِ عدالت و صواب میں تج رہا ہے، اگر یہ عہد اور یہ جذبۂ روحانی نہیں ہے، تو فقط ایک جانور کی قربانی، وہ قربانی نہیں ہے جس کو خود اللہ نے "ذبح عظیم" فرمایا ہے۔ بلکہ در اصل معصیت عظیم ہے۔ بنابریں ایک بندۂ مسلم کی ساری زندگی کو مثل حیات ابراہیمی قربانیوں سے مرکب ہونا چاہئے۔ قربانی ہر روز ہر ساعت اور ہر لمحہ کرنے کی چیز ہے۔ کسی ثانیہ کو بھی اللہ کی راہ میں کسی نہ کسی نوع کی قربانی کے جذبہ سے خالی نہیں ہونا چاہئے۔ اگر خالی ہے تو بلا ریب و شک، یہ لمحہ گناہ کا لمحہ ہے۔ یہ قربانی زندگی کی ایک حقیقت ہے جسے کہیں "اسلام" کہیں "جہاد" اور کہیں "ہجرت" فرمایا گیا ہے۔ صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ، صدقات و خیرات، تقویٰ و طہارت، بِر

واحسان، شہادت و صدیقیت، ولایت و حنفیت سب کے سب اسی جذبۂ للہیت کے مظاہر ہیں جن کا ایک معین و مشکل مظاہرہ عام عید اضحیٰ ہے۔ عید قرباں کا تیوہار در اصل اسی جذبۂ قربانی کو تازہ رکھنے کے لئے ہمارے رسول نے بحکم خدا قائم کی ہے۔ اللہ نے حیات ابراہیمیؑ اور حیات محمدیؐ کو اسوۂ حسنہ یعنی عمدہ نمونہ فرمایا ہے۔ اس میں یہ راز ہے کہ حیات ابراہیمی "اسلام" کی روحیت کا سب سے قدیم اور سب سے اکمل نمونہ ہے اور حیات محمدی "اسلام" کی شریعت کا سب سے آخر اور سب سے اکمل نمونہ ہے۔ اور روح للہیت کا بہترین عکس ہے۔ انسانیت کے لئے کمال اسلام اور تکمیل بشریت کا ان دو نمونوں سے بہتر کوئی اور نمونہ نہیں ہے۔ لہذا بنی آدم کو ان کے مقام اعلیٰ تک پہنچنے کی سعی کرنی چاہیے کیونکہ انسان کے لئے نہیں ہے مگر جو کچھ کہ اس نے سعی سے حاصل کیا۔

انسانی قربانی کی تنسیخ

دنیا کے مروجہ طریقۂ قربانی کو "ذبح عظیم" نے اس طرح بالکل صاف اور منقلب کر دیا کہ اس واقعے کے پہلے دنیا خدا کو ایک خونخوار اور ہولناک قہرمان جانتی تھی، اس کے غصہ وغضب کی آگ کو بجھانے کے لئے خون کے پرنالے بہایا کرتی تھی اور ہولناک قربانیاں اور ظالمانہ چڑھاوے، اس کی قربانگاہوں پر چڑھایا کرتی تھی۔ انسانی قربانی کا دنیا میں عام رواج تھا۔ لیکن اسمٰعیل کی جگہ ایک "ذبح عظیم" کا فدیہ اور عوض دے کر اور اس کی قربانی کو قبول کر کے خدا نے مشرکین کے طریقۂ قربانی کو بھی باطل کر دیا۔ "ذبح عظیم" کے فدیہ کو خدا نے قبول ہی نہیں کیا بلکہ اس میں ایک اجر عظیم کی بشارت دی اور صاف لفظوں میں فرمایا کہ میں نے "ذبح عظیم" کو تیرے پیچھے آنے والوں کے لئے ایک روشن یادگار بنا دیا۔ پھر فرمایا: "اللہ گوشتوں اور خونوں کو نہیں لیتا ہے، وہ تو صرف تمہارے تقویٰ کو قبول کرتا ہے۔" بالفاظ دیگر خدا ہمارے خون کا پیاسا نہیں ہے اور نہ وہ گوشت

جانوروں کا بھوکا ہے۔ معاذ اللہ وہ ایسی باتوں سے اونچا اور پاک ہے۔ وہ تو ہماری ترقی و فلاح چاہتا ہے اور اُس کا طریقہ احسن بتاتا ہے اور بس۔

خلاصہ کلام یہ کہ ہمارے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے:-

(۱) دنیا میں اللہ کی ذاتی و صفاتی توحید و تنزیہہ کی مذہبی تحریک کو جاری کیا اور انسانوں کے لئے ایک اللہ کی عبادت کا اولین معبد (حرم مکہ) تعمیر کیا تاکہ وہ ہدایت کا سرچشمہ ثابت ہو۔

(۲) تاریخ عالم میں سب سے پہلے اپنی ذات کو وطنی حدبندیوں اور قومی بندشوں سے بلند و بالا کیا، انسانیت کی اصلی و نوعی وحدت کا اعلان کیا اور مذہب اسلام کا دروازہ کرۂ ارضی پر بسنے والے تمام انسانوں کے لئے یکساں طور پر کھول دیا۔

(۳) اُس نے اپنی سراپا اخلاص و ایثار حیات طیبہ سے قربانی کی حقیقی معنویت کو دنیا پر واضح کیا اور خدا نے اُن کی للٰہیت کے عوض ذبح عظیم دیکر اور اُس کو آئندہ قوموں کے لئے ایک نشان بنانے کا اعلان فرما کر، انسان کی خونی قربانیوں کو باطل کر دیا اور صحیح طریقۂ قربانی کو جاری کیا، عید قرباں ملت حنیف کی تاسیس کی سالگرہ ہے اور اس سالگرہ کو وہی قوم مناتی ہے جو درحقیقت ملت حنیف کی داعی، وارث، اور حامل ہے، اور جو دن میں پانچ مرتبہ حضرت سیدنا ابراہیمؑ حنیف علیہ السلام پر درود و سلام بھیجتی ہے اور سال بھر میں ایک دفعہ مقامات ابراہیم پر دنیا کی بہترین اور پاکیزہ ترین مجلس منعقد کرتی ہے اور اسی یوم اجتماع کے اندر ایک ایسی عالمگیر شادمانی و قربانی کی عید مناتی ہے جس کی نظیر نہ بنی اسرائیل پیش کر سکتے ہیں اور نہ عیسائی دنیا اور نہ دنیا کی کوئی دوسری گذشتہ، موجودہ یا آئندہ قوم!۔ قربانی کی اسی یادگار عظیم میں، ملت اسلامیہ کی زندگی اور بقا کا راز مضمر ہے۔ وقت آگیا ہے کہ مسلمان، روح ابراہیم سے آشنا ہوں اور اپنی زندگی کے نظام کو از سر نو ابراہیمی بنیادوں پر قائم کریں۔

غیر مسلموں کیلئے تقریر سیرت

سیرت کمیٹی نے "ایکتا کے اوتار" کے نام سے ایک اہم تقریر سیرت اپنے غیر مسلم بھائیوں کی خاطر شائع کی ہے۔ یہ ضروری تقریر "ایمان" کے اسی نمبر میں شامل کردی گئی ہے، تاکہ برادران اسلام اس کی اہمیت اور معقولیت کا اندازہ فرماسکیں۔ سیرت کمیٹی کو یقین ہے کہ غیر مسلموں میں اس تقریر کی اشاعت سے بے شمار فوائد حاصل ہوں گے۔ وہ فرزندان اسلام جو اپنے پاک دین اور مقدس نبی کے پیغام عزت و صداقت کو غیر مسلموں تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ اپنے صدقات و خیرات کا ایک حصہ "ایکتا کے اوتار" کی مفت تقسیم میں صرف کریں۔ قیمت فی ہزار ۵۰ روپیہ، فی سیکڑہ چھ روپیہ، محصول ڈاک بذمہ خریدار۔ ایک پیسہ چار آنے کے ٹکٹ بھیجکر سولہ کتابیں طلب فرمائیں۔

(خاکسار ناظم سیرت کمیٹی پٹی، ضلع لاہور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ قربانی اور اسوۂ ابراہیم

خطبہ عید اضحےٰ

قربانی کے معنی ہیں، وہ چیز جو دوری کو کھوئے اور انسان کو کسی دوسری چیز کے قریب لے جائے "قربانی" کو اس لئے قربانی کہا جاتا ہے کہ وہ انسان کو مقصد کے قریب لیجاتی ہے، قربانی کی جس قدر بھی صورتیں دنیا میں رائج رہیں، ان سب میں حصول تقرب کا مفہوم برابر موجود رہا ہے بلکہ کہنا چاہیئے کہ ان شخصوں اور قوموں کے لئے، جن کے سامنے کوئی معین مقصد موجود ہو، قربانی ایک بالکل ضروری چیز ہے۔ قربانی، خدا کا قانون ہے، قربانی پیغمبروں کی سنت ہے، قربانی زندگی اور کامیابی کا سرچشمہ ہے اور اس دنیا میں صرف وہی قومیں اور وہی شخص کامیاب ہو سکتے ہیں جو اپنے مقصد کے لئے جان، مال، اولاد، وقت اور آسائش کو بے دریغ اور مردانہ وار قربان کر سکیں تاریخ عالم، تاریخ اسلام اور تاریخ جدید کا سب سے بڑا فتویٰ اور فیصلہ یہی ہے۔

قبل اسلام کی قربانیاں

زمانہ جاہلیت کی قربانی، انسان کی توہم پرستی کا نتیجہ تھی، لوگ دیبی دیوتاؤں سے مرادیں لینے اور اُن کی ناراضگی اور عذاب سے بچنے کے لئے، جانوروں کی قربانیاں کرتے تھے اور اُنھیں دیوتاؤں کی خوشنودی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ یہ قربانی ایک مادی رسم تھی، اور محض انسان کی فطری کمزوری کا نتیجہ تھی۔ اس قربانی سے انسان کو ترک خودی، ترک استقلال، شرک و بزدلی، اور زوال سیرت و اخلاق کے سوا کچھ حاصل نہ تھا۔ طمع وخوف

کے لیے اور وہ جس قدر زیادہ انسانوں یا جانوروں کا خون بہاتے تھے، اسی قدر زیادہ روحانی قوت اور اخلاقی زندگی سے محروم ہوتے جاتے تھے۔

مسئلہ قربانی میں دنیا کے پانچ بڑے مذاہب کی پوزیشن

قربانی کے معاملے میں مذاہب عالم کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :-

۱۔ جین دھرم اور بدھ مت، ان مذاہب نے جانوروں کی قربانی کو سخت ترین گناہ قرار دے کر اپنی ساری قوت انسانی خواہشات و جذبات کی قربانی اور ہلاکت پر صرف کی ہے اور قرار دیا ہے کہ جب تک کوئی انسان کرم کے بندھن سے، تعلقات وغیرہ کی قید سے اور دکھ اور سکھ کے احساس سے بری ہو کر اپنے آپ کو فنا نہ کر دے، مکتی (نجات) حاصل نہیں کر سکتا۔

۲۔ ہندو دھرم، یہودیت اور عیسائیت، یہ تینوں مذاہب جین اور بدھ کے مقابل ہیں، ہندوؤں کے ہاں قربانی کی رسم اس خیال پر قائم تھی کہ وہ جانوروں کا خون اور گوشت پیش کر کے دیوتاؤں کو خوش رکھ سکتے ہیں، اور ان کی ہولناکی سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ یہودی اپنے گناہوں کے کفارے کے لئے قربانی کرتے تھے۔ عیسائیوں نے متفرق اور انفرادی طور پر قربانیاں کرنے کی بجائے ایک بڑی قربانی کا سہارا ڈھونڈ لیا تھا، ان کا عقیدہ ہے کہ اگر وہ خدا کے بیٹے کی اس بڑی قربانی یعنے حضرت مسیح کے سولی دیئے جانے پر ایمان لے آئیں تو یہ ایمان نجات کے لئے کافی ہے؛

"فنائے ذات" اور "فنائے غیر" کے نظریے اور ان کا انجام

اس کے یہ معنی ہیں کہ اگر پہلے دو مذاہب (جین مت اور بدھ مت) انسان کی خودی کو فنا کر کے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آخری تینوں مذاہب، دوسروں کو فنا کر کے چھٹکارا پانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں غلط ہیں۔ اگر انسان جین اور بدھ کی تعلیم کے مطابق اپنے جذبات و خواہشات کی ہلاکت پر کمربستہ ہو جائے تو انسانی

قومی کی آزادانہ نشو و نما اور ترقی بالکل رک جائے گی۔ اور اگر ہم ہندو دھرم، یہودیت، اور عیسائیت کی تعلیم کے مطابق یہ سمجھ لیں کہ انسان جانوروں یا مسیح کی قربانی سے نجات پا سکتا ہے تو لازماً اپنے اعمال پر سے ہمارا اعتماد اٹھ جائیگا۔ ہم نیک اعمال کر ضرورت نہ رہیں گے، صرف دوسروں کے سہارے پر جینا شروع کر دیں گے۔

اس سلسلے میں ایک اور قابل لحاظ چیز یہ ہے کہ ان قربانیوں کا بہ حیثیت ایک رسم یا عقیدہ کے، انسانی تاریخ اور دنیوی زندگی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ جین اور بدھ ایثار نفس کی تعلیم ضرور دیتے ہیں مگر یہ ایثار، دنیا کے لئے نہیں بلکہ ترک دنیا، ترک خودی اور ترک عمل کے لئے ہے۔ اور یہی حال ہندو دھرم، عیسائیت اور یہودیت کی قربانیوں کا ہے، وہ محض دوسروں یعنی دیوتاؤں وغیرہ کو خوش کرنے کے لئے دوسروں (جانوروں وغیرہ) کی قربانی کرتے ہیں۔ اور خود بالکل الگ تھلگ رہتے ہیں، چونکہ ان قربانیوں کا مقصد انسان کی دنیوی زندگی کی بہبودی نہ تھا، اس لئے یہ لوگ اکثر خود حیوانات کی قربانی کو ترک کر دیتے تھے اور مزعومہ مقاصد کے لئے خود انسانوں کو ذبح کرنا، جلانا، پہاڑوں سے گرانا اور دریاؤں میں بہانا شروع کر دیتے تھے، مختصر یہ کہ جین اور بدھ کی قربانیوں سے جو ایثار نفس سے شروع ہوئی تھیں، انسان نے خود کو قتل کرنا (ترک دنیا اور خودکشی) سیکھا اور ہندو دھرم، عیسائیت اور یہودیت کی قربانیاں جو حیوانات سے شروع ہوئی تھیں کسی نہ کسی شکل میں دوسرے انسانوں کے قتل اور رہبانیت پر آکر ختم ہوگئیں یہ ہے فنائے ذات اور فنائے غیر کے نظریے کا انجام۔

اسلامی قربانی کی بنا اور جزا

ہم مسئلہ قربانی کے متعلق، دنیا کے پانچ بڑے مذاہب کی پوزیشن بیان کر چکے ہیں اب ہم اسلام کی طرف آتے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ پانچوں مذکورہ مذاہب میں قربانی کا تخیل کسی

رنگ میں فطرت انسانی کی کمزوری اور دوسروں (دیوتاؤں وغیرہ) کی خوشی یا ناخوشی پر قائم ہے، لیکن ان میں کوئی چیز بھی اسلامی قربانی پر عائد نہیں ہوتی۔ اسلامی قربانی، ایک قابلِ فخر اور قابلِ تقلید تاریخی واقعہ کی یادگار ہے اور بس، ہم اس عظیم الشان واقعہ کو قرآن عظیم کے الفاظ میں بیان کرنا چاہتے ہیں:-

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِينَ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيمٍ۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ إِنِّي أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى۔ قَالَ يٰأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِينَ۔ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ وَنَادَيْنٰهُ أَنْ يّٰإِبْرٰهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ؕ

حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی، اے خدا مجھے نیک بیٹا دے، پس ہم نے اُسے ایک نیک اور بردبار بیٹے کی خوشخبری دی، جب وہ لڑکا دوڑ دھوپ کے قابل ہوا تو ابراہیمؑ نے کہا، بیٹا! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ گویا تجھے ذبح کر رہا ہوں، اس بارہ میں تیری کیا رائے ہے؟ حضرت اسمٰعیلؑ نے جواب دیا، اے باپ! تجھ کو خدا کا جو حکم ہوا ہے، پورا کر تو خدا کے فضل سے مجھے صابر پائیگا؛ جب باپ اور بیٹا دونوں تعمیل حکم پر تل گئے، باپ ذبح کرنے پر تل گیا اور بیٹا ذبح ہونے پر تل گیا تو باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل پچھاڑا، اس وقت ہم نے ابراہیمؑ کو آواز دی، اے ابراہیمؑ! تو نے خواب کو سچ کر دکھایا؛

قربانی کی جزا

یہاں تک اصل واقعہ کا اظہار ہے، اس کے بعد اگلی آیات میں اس عمل عظیم کی جزا بیان کی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ بتایا گیا ہے کہ اسلامی قربانی اس تاریخی واقعہ کی یادگار ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:-

۱- إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِينُ ۔

ہم محسنین کو اسی طرح جزا دیتے ہیں، بے شک یہ ایک کھلا ہوا امتحان تھا۔

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ	ہم نے اس کو فدیہ میں عظیم قربانی دی،
۲- وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ	اس کی یادگار آئندہ نسلوں میں قائم کردی،
۳- سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ-	ابراہیمؑ پر درود و سلام،
۴- كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ-	ہم محسنین کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں،
اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ-	بے شک، ابراہیمؑ ہمارے ایماندار بندوں سے تھا،

اب ہم ان آیات کی مختصر تشریح کرنا چاہتے ہیں:-

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ

پہلی آیات، "ہم محسنین کو اسی طرح جزا دیتے ہیں، بے شک یہ ایک کھلا ہوا امتحان تھا"، بس اس حقیقت کا بیان ہے کہ قربانی ایک امتحان ہوتی ہے اور قربانی سے انسان کچھ کھوتا نہیں بلکہ پاتا ہے۔ مثال اس کی یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ حضرت اسمٰعیلؑ کو راہ حق میں قربان کردینے پر آمادہ ہوگئے مگر واقعہ یہ ہوا کہ اسمٰعیلؑ بھی سلامت رہے اور قربانی بھی مقبول ہوگئی، یعنی فدیہ قبول کرلیا گیا،

ایثار و قربانی کے راستے میں سب سے بڑی ٹھوکر یہ ہے کہ انسان غلطی اور تنگ دلی سے یہ سمجھتا ہے کہ جان، مال، اولاد اور وقت جو اللہ کی راہ میں قربان کیا جاتا ہے، وہ کمی اور نقصان کے مترادف ہے۔ یہاں یہ واضح کیا گیا کہ قربانی تو محض ایک امتحان ہوتی ہے اصل مقصود یہ ہے کہ محسنین کو جزا دی جائے۔ "اسوۂ ابراہیمؑ" کا پہلا سبق یہ ہے کہ اگر قوم اور افراد قوم اللہ کے حکم کی اطاعت میں جان، مال، اور اولاد کو قربان کردینے پر آمادہ ہو جائیں تو ان سے یہ چیزیں چھینی نہیں جاتیں، بلکہ اُن کی حفاظت اور ترقی کے سامان پیدا ہو جاتے ہیں،

مسلمانوں کی موجودہ بے بسی کا واحد سبب یہ ہے کہ وہ مال و جان کی قربانی کو گھاٹا اور خطرہ خیال کرتے ہیں، لیکن خدا کی تعلیم اس کے خلاف ہے۔ خدا کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان

خدا کے حکم کی اطاعت میں جس قدر زیادہ جان، مال، اولاد اور وقت کی قربانی کریں گے، اسی قدر زیادہ اُن کی حفاظت اور ترقی کے سامان وسیع ہوتے چلے جائیں گے، فہل من مدکر؟ کوئی غور کرنے والا ہے؟

وَتَرَکْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ

آیت کے ظاہری معنی بالکل صاف ہیں یعنی "ہم نے اسمٰعیلؑ کے بدلے، ابراہیمؑ کو عظیم الشان قربانی دی اور اس کی یادگار آنے والی نسلوں میں قائم کر دی"۔ "ذبح عظیم" کی تشریح کی اس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں ہے۔ ہم صرف یادگار کے لفظ پر زور دینا چاہتے ہیں۔ اس آیت سے یہ حقیقت تو بالکل واضح ہوگئی ہے کہ اسلامی قربانی کی بنیاد ایک تاریخی واقعہ پر رکھی گئی ہے۔ قابل غور نکتہ صرف یہ ہے کہ اس واقعہ میں وہ خاص بات کیا ہے جس کی بنا پر خدا تعالیٰ نے اسے آئندہ نسلوں کے لئے "اسوۂ قربانی" قرار دیا؟

اس واقعہ کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے حکم خدا کی اطاعت کا جو نمونہ اس واقعہ میں پیش کیا ہے، وہ اپنی ذات میں بالکل نرالا اور بے مثال ہے۔ خدا تعالےٰ نے اسی بے مثال اطاعت حکم کی بنا پر اس واقعہ کی یادگار قائم کی ہے اور اسی روح اطاعت کو نوع انسان کے لئے ہدایت کا ایک مستقل نشان مقرر فرمایا ہے، تمام امت مسلمہ کو ہر سال یہ سبق دیا ہے کہ ابراہیمی برکات کے حصول کا واحد راستہ یہ ہے کہ انھیں کی طرح حکم خدا کی اطاعت کی جائے۔

آپ واقعہ ابراہیمؑ کے اجزا کو مرتب فرمائیں:-

۱- حضرت ابراہیمؑ بیداری میں نہیں بلکہ خواب میں قربانی کا حکم پاتے ہیں۔

۲- مطالبہ کسی معمولی چیز کا نہیں، بیٹے کی قربانی کا مطالبہ ہے۔

۳- بیٹا بھی معمولی بیٹا نہیں، اسمٰعیلؑ ہے، حسین، جمیل، صالح، نبی اور موعود۔

۴- بیٹے پر جوانی کی عمر ہے، بیٹا پہلوٹا ہے۔

۵۔ باپ پر بڑھاپا طاری ہے، اور اب نعم البدل کی توقع بھی نہیں!

۶۔ یہ وہ بیٹا ہے جو دعائیں مانگ کر لیا ہے!

اِن حالات کے باوجود حضرت ابراہیمؑ یہ تصور بھی نہیں کرتے کہ ذبح اسمٰعیل کا خواب، محض خواب وخیال بھی ہو سکتا ہے۔ اسی پر بس نہیں۔ آپ بڑی ہی بے تکلفی سے یہ دردناک خواب بیٹے کو بھی سنا دیتے ہیں۔ تصور کرو کہ یہ وقت کس قدر درد انگیز اور پُر تاسف ہوگا۔ جب کہ ایک بوڑھا باپ، اپنے نوجوان، صالح اور معصوم ومقبول فرزند سے اس کے قتل کا ذکر کر رہا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ بیٹے سے ذکر فرماتے ہیں اور اس حال میں کہ اُن پر غم والم یا درد ورقت کا کوئی اثر نمایاں نہیں ہوتا۔ اس سے اُن کے دل کی استقامت اور تسکین کا اندازہ کرو۔ اطاعت گذار بیٹا، باپ کی خواب سنتا ہے اور قربان ہونے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اب حضرت ابراہیمؑ فرزند معصوم کو ماتھے کے بل پچھاڑتے ہیں اور ذبح کر دینے پر تل جاتے ہیں!

ہاں! حکم خدا کی اطاعت میں یہی بے مثال بے تکلفی اور مستعدی، یہی عدیم النظیر تسلیم ورضا اور شکر وثبات، اِس واقعہ کی روح ہے اور اطاعت فرمان کا یہی جذبۂ بے اختیار حضرت خلیل اللہ کا وہ مقدس اور غیر فانی کارنامہ ہے جو خدا کی نظر میں اس قدر محبوب ومقبول ہوا کہ اُس نے اسے آئندہ نسلوں کے لئے ہدایت کا ایک دائمی نشان قرار دے دیا۔ اسی جذبے کا نام ہے اسلام۔ اسی جذبے کی تازگی اور تجدید کا نام ہے قربانی۔ یہی جذبۂ انسانی اور اسلامی زندگی کا ماحصل اور مفاد ہے۔ نہیں بلکہ اس ساری کائنات اور اس کے اثاثۂ حیات کی پوری حقیقت بھی صرف اسی قدر ہے یعنی اطاعت کا ایک دم، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

سلامٌ علےٰ ابراھیم

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی قربانی اور امتحان کی کامیابی کا اعتراف

فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ امن اور سلامتی' قربانی کی لازمی جزا ہے اور صرف وہی قومیں اور افراد سلامتی کی منزل تک پہنچ سکتے ہیں جو پہلے قربانی دیں۔ کاش موجودہ زمانے کے مسلمان بھی" اسوۂ ابراہیمؑ" سے زندگی اور سرمایہ زندگی کی حفاظت کا اصول سیکھ سکتے۔ اصول یہ ہے کہ جب تک جان' مال' وقت اور اولاد کی بے دریغ قربانی نہ ہو' قوم پر حفاظت اور سلامتی کی راہ نہیں کھل سکتی۔ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے متعلق اس وقت" سلام علیٰ ابراھیم" کا اعلان کیا جب کہ آپ اسمٰعیلؑ جیسے فرزند کو خدا کی راہ میں قربان کرنے پر آمادہ پائے گئے۔ فھل من مدکر؟

كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ

اعلان سلامتی کے بعد حکم ہوتا ہے کہ ہم ارباب احسان کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں یعنی اللہ کا یہ قانون ہے کہ جو لوگ حضرت ابراہیمؑ کے نقش قدم کی پیروی کریں گے۔ انھیں اسی طرح جزا دی جائے گی؛

پیغمبر اسلام نے" احسان" کی یہ تعریف کی ہے کہ تم اس طرح خدا کی عبادت کرو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو' یا کم سے کم وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ چونکہ قربانی کا مرکزی اور اساسی نکتہ" احسان" (یعنی خدا کو اپنے سامنے موجود محسوس کرنا) ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب تک کوئی شخص پروردگار عالم کو' اس کے قانون کو' اس کے دوزخ اور بہشت کو اور اس زندگی کے انجام کو' اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ رہا ہو' وہ خدا کے لئے کوئی چیز قربان نہیں کر سکتا۔ اس واسطے اس آیت میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ جو نہایت بے تکلفی سے اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھوں ذبح کر دینے پر آمادہ ہو گئے تو اس کی اصلی وجہ یہی ہے کہ وہ اپنے سامنے خدا کو دیکھ رہے ہیں؛

آج مسلمان قربانی کی قوت سے محروم ہیں' اس کا اصلی سبب یہی ہے کہ وہ اپنی زندگی میں حقیقی طور پر خدا کی ہستی کو محسوس نہیں کرتے۔ ورنہ جو شخص یہ دیکھے کہ خدا

خود سامنے ہے، وہ اس کے حکم اور مطالبۂ قربانی سے انحراف کیسے کرسکتا ہے؟

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ

حضرت ابراہیمؑ کے ایثار و قربانی سے "پہلے تو یہ نتیجہ نکالا کہ وہ ارباب احسان میں سے تھے یعنی خدا کو اپنے سامنے دیکھ رہے تھے۔ اور اب اس آیت میں، اُن کی اسی قربانی کی بنا پر یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ" وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے" پہلی آیت میں قربانی کی بنیاد پر حضرت ابراہیمؑ کے احسان کی شہادت دی تھی اور اب قربانی ہی بنا پر اس آیت میں اُن کے ایمان کی شہادت دی گئی ہے' اور واقعہ بھی یہی ہے۔ اس دنیا میں کسی شخص کے احسان اور ایمان کا اس کے سوا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وہ خدا کے لئے بے دریغ قربانی کرسکے؛

یہاں پر قربانیٔ ابراہیمؑ، اور اس کی حقیقت اور بنیاد' اُس کے نتائج و ثمرات کی بحث ختم ہوتی ہے؛

برادران اسلام! مذکورہ بالا آیات کو بار بار پڑھیں اور ہماری تصریحات کی روشنی میں اُن کے معانی سمجھنے کی کوشش کریں؛

اُسوۂ ابراہیمؑ پر نظر

اب ہم اسوۂ ابراہیمؑ کے مختلف اجزا پر نظر ڈالنا چاہتے ہیں:۔

قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ایک ہی حقیقت کے دو جلوے ہیں، فرق صرف اجمال اور تفصیل کا ہے حضرت ابراہیمؑ اجمال ہیں اور حضرت محمد مصطفےٰؐ اس اجمال کی تفصیل ہیں، اسی بنا پر دونوں بزرگواروں کی زندگی خلق خدا کے لئے "اسوۂ حسنہ" قرار پائی ہے:۔

قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ فِیْ اِبْرٰھِیْمَ	لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ

جس حقیقت کا نام اسوۂ ابراہیم ہے، اس کے تین اجزا ہیں:۔

۱۔ ابراہیمی فکر، ۲۔ ابراہیمی اخلاق، ۳۔ ابراہیمی ایثار۔

چونکہ حضرت ابراہیمؑ کی ذات، امت مسلمہ کی پیدائش کا اولین ذریعہ تھی۔ اس واسطے خدا تعالیٰ نے اسلام کے نام، اسلام کے نصب العین، اسلام کی روح، ملت کی تعمیر اسلام کی تعمیر اور قبلہ، اور مسلم کے مقام کو آپ ہی کے فکر، عمل، اخلاق اور ایثار کی نسبت سے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے، حضرت ابراہیمؑ ہی کی زندگی، وہ اولین زندگی ہے جسے حقیقی طور پر اسلامی فکر و نصب العین اور اسلامی عمل و ایثار کی سب سے پہلی تفسیر اور تصویر قرار دیا جا سکتا ہے، قرآن عظیم کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے جہاں بھی اسلام کے تخیل اور مسلم کے مقام کو سمجھایا ہے، حضرت خلیل ہی کی نسبت سے سمجھایا ہے۔

ابراہیمی فکر

اولین مصور نے اپنے نقشے میں کس طرح رنگ بھرا اور کن بنیادوں پہ یہ ملت عالم وجود میں آئی؟

۱۔ روح اسلام۔ (سمع و اطاعت)

اسلام کی روح اطاعت ہے۔ خدا تعالیٰ نے بانی ملت کی حیثیت سے حضرت ابراہیمؑ کو اپنی اطاعت کا حکم دیا اور آپ نے تمام امت کی طرف سے اس حکم کی جس طرح اطاعت کی اسے قرآن پاک نے حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:-

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔	جب خدا نے ابراہیمؑ کو فرمایا، اسلام پر قائم ہوجا، کہا میں پروردگار عالم کا فرمانبردار بن گیا۔

یہ مسلمان کی سب سے پہلی شان ہے، سننا اور تسلیم کرنا، یہ اسلام کا جوہر ہے، یہ مسلمانوں کی تمام تاریخی ترقیوں کی بنا ہے، یہ مسلمان کے وجود اور امت مسلمہ کے تخیل کی اولین بنیاد ہے، اور اب مسلمانوں کی محرومی اور شقاوت کا واحد سبب یہی ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہیں، تسلیم حکم پر ان کی زندگی کی بنیاد رکھی گئی تھی اور اب یہی خاصہ حیات ان کی زندگی سے دور ہو رہا ہے۔ اگر آج صرف ایک چیز یعنے اسلمت لرب العالمین مسلمانوں میں پیدا ہوجائے تو ان کے مردہ جسم میں جان پڑ سکتی ہے اور یہ امت ابراہیمی بنیاد پر کھڑی ہو سکتی ہے۔

۲۔ ملت کا نام (مسلمان اور صرف مسلمان)

جب حضرت ابراہیمؑ اطاعت کا عہد فرما چکے اور اس حیثیت سے انھیں مسلمان کا لقب عطا ہوگیا تو آپ نے یہی لقب اپنے پیروؤں کو عطا فرمایا:-

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ	دین تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے، اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

اس کے یہ معنی ہیں کہ مسلمان، لازماً مسلمان ہوگا، بے ہرج احکام الٰہی کا مطیع ہوگا، مسلمان، مسلمان ہوگا اور صرف مسلمان ہوگا، اسلامی نسبت کے سوا کوئی دوسری نسبت،

(ہندوستانی، حنفی، وہابی) قبول نہ کرے گا۔ یہ مسلمان کا دوسرا وصف ہے ؛

۳۔ تعمیر مرکز ملت (خانہ کعبہ)

اسلام کو ایک خاص روح دی گئی یعنے اطاعت حکم۔ ابراہیمی پیرووں کو ایک خاص لقب مل گیا یعنی مسلمان۔ اب اس کام کی تیسری منزل شروع ہوئی۔ فکر ابراہیمؑ نے امت مسلمہ کے قیام و ظہور کے لئے زمین کی تلاش شروع کر دی۔ آپ شام سے چلے اور ظہور امت کے مقام (مکہ) پر آٹھیرے اور اُسی "رب العالمین" کے تخیل کو قائم رکھ کر، جس پر ایمان لا چکے تھے، وہ اللہ کا گھر اور وہ چشمہ ہدایت جہاں امت مسلمہ کا قافلہ اُترنے والا تھا، تیار فرمایا

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ	سب سے پہلے گھر جو ابراہیم نے لوگوں کے لئے بنایا، مکہ معظمہ میں ہے، بابرکت اور اہل جہان کے لئے ہدایت، اس میں آیات الٰہی ہیں، مقام ابراہیمؑ ہے

مسلمان ہونے کے بعد مسلمانوں کا اجتماعی فرض یہ ہے کہ وہ مرکز امت کو تعمیر کریں، قیام و بقائے امت کا فکر اور اس کے وجود کی خدمت میں مصروف ہوں، اگر مرکز قائم نہ ہوگا امت کی تنظیم مکمل نہ ہوگی، امت کی زندگی اس کا مرکز ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے امت کا تخیل قائم کرنے کے فوراً ہی بعد ملک عرب میں آئے اور حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت ہاجرہ کو مکہ میں آباد کیا اور وہاں خانہ کعبہ کی بنیاد ڈالی۔ اب جبکہ اس زمانے میں امت کا قائم شدہ تخیل اور وجود پھر منتشر ہو رہے ہیں، مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس ابراہیمی مرکز کو پھر قائم کریں ؛

۴۔ آرزوئے معمار (محمد مصطفےٰؐ)

امت کے لئے لقب تجویز ہو چکا (مسلمان) وہ تخیل اور بنیاد سے پا گئی جس پر امت کی پیدائش عمل میں آئیگی (اطاعت احکام الٰہی) وہ مرکز بھی تعمیر ہو گیا جہاں ہدایت کا چشمہ ابلیگا اور تخلیق ملت کے لئے دعوت دین شروع ہوگی اور امت قائمہ کا انتشار "

سمٹا کرے گا (خانہ کعبہ)۔

ان تمام ضروریات کی تکمیل کے بعد حضرت ابراہیمؑ تخلیق امت کا فکر فرماتے ہیں، ابراہیمی فکر یہ تھا کہ تخلیق امت کے لئے ایک پیغمبر مبعوث ہو، اس عام احساس کے علاوہ اس پیغمبر کے فرائض و وظائف اور اخلاق و اوصاف کا پورا پورا نقشہ بھی آپ کے تخیل میں اسی طرح محفوظ تھا، جس طرح ایک ننھے سے بیج کے اندر درخت کا پورا وجود محفوظ ہوتا ہے، آپ ایک طرف امت کا گھر بنا رہے تھے اور دوسری طرف معمار امت کے انتظار میں بارگاہ الٰہی میں یہ دعا کر رہے تھے:۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔	اے خدا! ان لوگوں میں ایک رسول بھیج جو انھیں تیری آیات سنائے کتاب و حکمت کا درس دے ان کی روحوں کو پاک کرے تو زبردست حکمت والا ہے۔

فکر خلیل کا یہ پہلو بھی امت مسلمہ کے لئے پیغام حیات ہے، اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ حضرت خلیلؑ کی اس مقدس آرزو اور دعا کو بھی اپنے سینوں میں پالتے رہیں حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا سے ثابت ہوتا ہے کہ امت مسلمہ کی پیدائش کے لئے خاص خاص اوصاف کے رہنما کا ہونا اور ایسے رہنما کے لئے آرزو مند رہنا، دونوں امور ضروری ہیں۔ اب جب کہ تخلیق امت کا کام پورا ہو چکا ہے، اصلاح امت اور تجدید دین کے لئے یہی دونوں ضرورتیں باقی ہیں اور یہ مسلمانوں کا فرض تھا کہ وہ ہمیشہ دست بدعا رہیں کہ یا الٰہی! اس امت میں سچا رہنما پیدا کر، خاص خاص اوصاف کا رہنما، وہ رہنما جو روح اسلام، بنائے اسلام اور فکر و دعائے خلیلؑ کو سمجھے اور مسلمانوں کو آیات الٰہی سنائے، انھیں قرآنی مقاصد کی تعلیم دے، اور اُن کے دلوں کو نفاق اور خود غرضی سے پاک کر کے انھیں ایک مرکز تنظیم پر جمع کر دے اور ملت اسلامیہ کی تقدیر کو روشن فرمائے۔

افسوس کہ آج ہم مسلمان اس آرزوئے عظیم کو فراموش کر چکے ہیں جو حضرت خلیل کی سب سے بڑی میراث تھی اور اب عرصہ گزر چکا ہے کہ عالم اسلام میں کوئی ابراہیمی رہنما پیدا نہیں ہوا، اس لئے کہ نہ امت میں ایسے رہنما کی پیاس ہے اور نہ مدعیان رہنمائی کو ان اوصاف کی تلاش ہے جن کے لئے حضرت خلیلؑ کے ہاتھ ہمیشہ آسمان کی طرف اٹھے رہتے تھے۔ کیا ہم توقع کریں کہ راہ گم کردہ مسلمان اس فراموش شدہ عہد، اس پامال شدہ آرزو اور اس بھولی ہوئی بے قراری کو از سرِ نو اپنے پہلو میں جگہ دیں گے؟ اور خدا تعالیٰ سے رو رو کر بار بار یہ دعا کریں گے کہ اے خدا! اس امت میں کوئی ابراہیمی رہنما بھیج جو اس قوم کی تقدیر کو روشن کرے!

۵۔ ملت کی مادی اور روحانی فلاح (تنظیم دین)

دعائے خلیل یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اب امت پیدا ہو جائے گی اس سلسلے میں ابراہیمی فکر کی آخری آرزو یہ تھی کہ یہ امت ایک نظام کے ماتحت، اپنی زندگی بسر کرے جو مادی اور روحانی خوشیوں سے معمور ہو۔ اس مقصد کے لئے آپ دعا فرماتے ہیں:-

۱۔ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا؛ اے خدا! ہم کو حج کے طریقے سکھا دے؛

۲۔ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَمِن ذُرِّيَّتِي، خدایا! مجھے اور میری اولاد کو پابند نماز بنا؛

۳۔ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ، انھیں پھلوں سے رزق دے؛

نماز تنظیم دین کی پہلی کڑی ہے اور حج آخری، حضرت ابراہیمؑ کو نماز اور زکوٰۃ سے جو خاص شغف تھا، وہ اس سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے، ان تینوں دعاؤں کا مقصد یہ تھا کہ امت مسلمہ دنیا میں منظم اور صفائے روحانی اور فلاح مادی سے لبریز زندگی گزارے؛

کیا برادران اسلام ابراہیمی فکر کے اس آخری پہلو پر غور کر کے اپنے فرائض کا احساس

کریں گے، جماعت کی تنظیم اور مسلمانوں کی روحانی اور مادی آسودگی کے بارے میں اُن پر عاید ہوتے ہیں؟ کیا مسلمان نماز اور حج کے ذریعہ سے اپنے انتشار کا علاج کریں گے؟ کیا وہ قرض اور سود کے چکر سے نکلیں گے اور تجارت اور صنعت و حرفت کے ذریعہ سے بہترین رزق کی طلب کریں گے؟

عمل و اخلاق ابراہیم

برادران ملت! آپ فکر خلیل ؑ کے اہم پہلوؤں اور بڑی بڑی آرزوؤں پر ایک نظر ڈال چکے ہیں، قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ، امت مسلمہ کے دماغ میں، یہ سب آرزوئیں پیدا ہونی چاہئیں، اب ہم عمل و اخلاق ابراہیم پر ایک نظر ڈالنا چاہتے ہیں؛

عمل ابراہیمؑ کی صورت گری

فکر کے بعد عمل کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ حضرت خلیل ؑ کے ملت آفرین فکر نے ایک خاکہ بنایا، عمل نے اس میں رنگ بھرا اور اس ملت کو عالم وجود میں لانے کے لئے جو تمام ملتوں کے لئے اسوہ قرار پا جانے والی تھی، حضرت خلیل ؑ نے جو واحد طریق عمل اختیار فرمایا، وہ تبلیغ و اشاعت اسلام تھا، آپ نے خاندان، قوم، ملک اور بادشاہ کے روبرو اپنے مقاصد کی زبردست تبلیغ کی، اس تبلیغ نے امت مسلمہ کی پیدائش کا سروسامان کر دیا، بجھی ہوئی طبیعتوں میں امید اور انتظار کا شعلہ چمک اُٹھا، آل ابراہیم ؑ نے اس شعلے کو اور چمکایا، توریت اور انجیل نے اس ذوق عظیم کی یہاں تک آبیاری کی کہ دختران یوروشلم تک کی آنکھیں اُس محبوب سُرخ و سفید کی راہ تکنے لگیں جو دس ہزار قدوسیوں میں جھنڈے کی طرح کھڑا ہونے والا تھا اور یہ جو تم دیکھتے ہو کہ بعثت محمدی اور ظہور امت کے وقت، بہت سی منتظر اور مشتاق نگاہیں، نبی موعود کے جمال جہاں آرا کے لئے کھلی ہوئی ہیں، یہ سب کچھ حضرت ابراہیم ؑ ہی کی تبلیغی کوششوں کا نتیجہ تھا؛

اس سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ایک سچے مبلّغ کی تبلیغ میں کس قدر بے پناہ انقلابی قوتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ خطیب یہ نکتہ اچھی طرح مسلمانوں کو سمجھائے کہ حضرت ابراہیم ؑ نے کس کس طرح دین حق کی تبلیغ کی؟ اور اس سے کس قدر شاندار نتائج پیدا ہوئے؟

اخلاق ابراہیمؑ

یہ بھی دیکھو کہ حضرت ابراہیم ؑ کس اخلاقی سرمایہ کے ساتھ تبلیغ و اشاعت اسلام میں مصروف ہوئے تھے، ابراہیمی اخلاق کے متعلق قرآن پاک کی پیش کردہ تفصیل درج ذیل ہے:-

حَنِیْف (یک رنگ) مُسْلِمْ (اطاعت گذار) مُوْقِنْ (صاحب یقین)

حَلِیْمٌ (بردبار) شَاکِرًا لِّاَنْعُمِہٖ (خدا کی نعمتوں کا قدردان) مُنِیْب (راجع بخدا)

صَالِحْ (نیکوکار) قَانِتْ (ثابت قدم) مُؤْمِنْ (صاحب ایمان)

اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَار (صاحب عمل و صاحب بصیرت) اَخْیَار (نیک)

مُحْسِنْ (احسان کرنے والا)۔ صَاحِبِ قَلْبٍ سَلِیْمٍ (پاک اور اجلے دل والا)

صِدِّیْق (راستباز) خَلِیْل (سچا دوست) اِمَام (پیشوا)

یہ اوصاف و انوار ہمارے دینی مبلّغوں کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں، کیا ہمارے مبلّغین اسلام اس نقشہ کے مطابق اپنے نفسوں کا جائزہ لیں گے؟ اور تبلیغ کے میدان میں اترنے سے پہلے، اپنے آپ کو ابراہیمی اخلاق سے آراستہ کریں گے۔ خطیب مسلمانوں کو سمجھائے کہ آج مسلمانوں کی ناکامی اور اسلام کی بدنامی کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ ہمارے مبلّغوں کا عملی نمونہ صحیح نہیں ہے۔

ایثار خلیلؑ

حضرت خلیل ؑ کے فکر اور عمل و اخلاق کی سیر ہو چکی، اب ہم ایثار خلیل پر ایک نظر

ڈالنا چاہتے ہیں کہ آپ نے امت مسلمہ کو معرض ظہور میں لانے کے لئے اپنا کیا کیا کچھ کھویا؟ اور کیسے کیسے رشتوں کو توڑ کر اس مقصد عظیم پر قائم ہوئے جس کے لئے خدا نے آپ کو بر پا فرمایا تھا؟ قرآن عظیم پر ایک نظر ڈالو' جو بھی اللہ کی توحید سے انکار کرتا ہے' حضرت ابراہیمؑ کس دلیری سے اس کی محبت کا رشتہ توڑتے ہیں؟

۱۔ رشتۂ پدری کی قربانی (فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ) جب ظاہر ہوا کہ باپ خدا کا دشمن ہے' ابراہیمؑ اس سے الگ ہو گیا۔

۲۔ رشتہ قومیت کی قربانی (أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ) تم سب اور تمہارے باپ دادا میرے دشمن ہیں' سوائے پروردگار عالم کے۔

۳۔ قومی معبودوں کی قربانی (فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا) آپ نے بتوں کو پرزہ پرزہ کر دیا۔

۴۔ بادشاہ سے انقطاع (حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ)

۵۔ ایثار جان (اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ) ابراہیم کو قتل کر دو' جلا دو۔

۶۔ وطنیت کی قربانی' آپ نے وطن کے تمام رشتوں کو توڑا اور "إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي" کہکر مملکت بابل سے نکل کھڑے ہوئے۔

مقام ابراہیمؑ

ایثار و قربانی کے اس تسلسل پر غور کرو' باسبار غور کرو اور دیکھو کہ اُن تمام علائق دنیویہ میں سے جو ایک خاکی انسان پیدائش کے وقت اپنے ساتھ لاتا ہے' کوئی بھی علاقہ ایسا ہے جو اس حنیف کامل' اور موحد اعظمؑ نے اللہ کے لئے نہ توڑ دیا ہو' جب خون' نسل' قومیت' اور وطنیت کے وہ تمام سد الشی اور اساسی رشتے کٹ چکے اور حضرت خلیل اللہ

ایک ایسی سرزمین میں جہاں معیت الٰہی کے سوا کوئی مادی معیت ساتھ نہ تھی آپہنچے تو خلاق فطرت نے اس آزاد اور بے نیاز وقت اور توحید پرور فضا میں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور امت مسلمہ کی پیدائش کا سروسامان کیا جس کا مادۂ ظہور اس وقت تک حضرت خلیلؑ کے خون اور فکر میں مستور تھا اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر سو سال کے قریب تھی اور کوئی اولاد نہ تھی۔ اب یہاں ایک سو سال کی تنہائی کے بعد مہاجر بابل کے دل میں اولاد کا احساس پیدا ہوا، خدا چاہتا تھا کہ اب اس موحد کامل کے ذریعہ سے نبی آخرالزمان اور ان کی امت کے ظہور کا سروسامان ہو، لہذا اس کارساز غیب نے ان کے دل کو حرکت دی اور زبان سے بے اختیار رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ" (اے خدا مجھے نیک فرزند عطا فرما) کے الفاظ اس مرد صالح اور موحد کامل کی زبان سے نکل گئے۔ آسمانی بشارت نے اس بے قرار صدا کا اس شان سے استقبال کیا کہ وادی شام وعرب کا گوشہ گوشہ "فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ" کے نغموں سے گونج اٹھا" تھوڑا عرصہ بعد حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے ایک بچہ جو توحید اور تاثر ایمان کی نسیم اور بے نیاز فضاؤں میں پلے اور جوان ہوئے اس وقت حضرت ابراہیمؑ کو ایک عجیب خواب آیا، دیکھا کہ اس جوان صالح کو جو باپ کی بے تاب اور پرکیف صداؤں کا نتیجہ تھا، ذبح کر رہے ہیں، آپ نے حضرت اسمٰعیل سے خواب کا ذکر فرمایا، يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ (بیٹا! میں نے خواب میں دیکھا ہے، تجھے ذبح کر رہا ہوں، تیری کیا رائے ہے؟) اولوالعزم باپ نے خواب کا ذکر کیا تھا مگر دانشمند بیٹے نے سر جھکا دیا اور کہا "ابا جان! آپ حکم خدا کی تعمیل کریں، آپ بفضل خدا جلد ہی دیکھ لیں گے کہ مجھ میں کتنی طاقت صبر کی ہے!" اس جملے پر غیرت و ایمان اور عزم و استحکام کی ہزاروں کائناتیں مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپنے لگیں، حضرت خلیلؑ اطاعت حکم کی خودی سے مجبور ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اس خدائی ہاتھ میں پھر حرکت پیدا ہوئی جو اس سے

پہلے خون، نسل، قومیت اور وطنیت کے رشتوں کو تیغ انقطاع کی نذر کر چکا تھا، ایک دفعہ یہ ہاتھ اسمٰعیلؑ کی طرف بڑھا اور اسے خاک نیاز پر لٹا دیا۔ دوسری دفعہ تلوار کی طرف بڑھا اور چاہا کہ دامن خلّت و ایثار کو اسمٰعیلؑ کے مقدس خون سے ہمیشہ کے لئے سیراب کر دے اسلاف کی طرح اولاد کی گردن کاٹے اور دونوں طرف کے رشتوں کی دولو دونوں ہاتھوں سے دھجیاں اڑا کر اس کائنات عالم میں مقام ابراہیم کی یکتائی کا ڈنکا بجا دے۔ لیکن قبل اس کے کہ تیغ ابراہیمؑ کو خون اسمٰعیلؑ میں شناوری کی فرصت نصیب ہو، عالم لاہوت میں تہلکہ بپا ہو گیا، اسمٰعیلؑ کی زندگی اور اسمٰعیلؑ کی نسل نہیں نہیں، اس پوری کائنات کی عظیم الشان زندگیاں اور عظیم الشان صداقتیں، پوری امت مسلمہ، امت مسلمہ کا جلیل القدر ہادیؐ اور زندہ جاوید قرآن اس وقت ابراہیمی تلوار کے نیچے تھے اور اب تلوار چلنے کے معنے یہ تھے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ محمد رسول اللہ، قرآن اور یہ ساری کائنات ذبح ہو جائے اور قیامت سے پہلے اس خاکدان ارضی پر لمن الملک الیوم کے ڈنکے بج جائیں۔ پس قبل اس کے کہ تلوار چلے اور حضرت اسمٰعیلؑ کے گلو سے لہو کی قیامت آفریں آبشاریں طوفان نوح کی طرح، دنیا و مافیہا کو بستر عدم پر لٹا دیں، آسمانوں اور زمینوں پر قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا کے نقارے بج گئے اور کرۂ ارضی پر وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ اور وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ کا اعلان کر دیا گیا، یہ ہے مقام ابراہیمؑ یعنی وحدت و اطاعت کا بلند منارہ جس پر حضرت ابراہیمؑ کے سوا آج تک کوئی دوسرا انسان کھڑا نہیں ہو سکا اور یہ ہے وہ "اسوۂ قربانی" جو اس موحد اعظمؑ نے دنیا کے سامنے پیش کیا، ہاں ہاں یہی عظیم الشان واقعہ، اسلامی قربانی کی بنیاد ہے، اور ۴۰ کروڑ فرزندان اسلام کی گذشتہ تیرہ سو سالہ قربانیاں اس بحر ایثار کی ایک ہلکی سی موج ہیں۔

ایک نکتہ

واقعات ابراہیمؑ میں ایک اور بھی بڑا سبق موجود ہے گذشتہ تصریحات کا ماحصل یہ ہے کہ فکر ابراہیمؑ نے امت مسلمہ کا جو نقشہ کھینچا تھا، عمل و ایثار ابراہیمؑ کی برکتوں نے عملی طور پر اس سے ایک امت پیدا کردی، حضرت ابراہیمؑ، ایک شخص نہ تھے بلکہ ایک امت تھے، جیسا کہ خود قرآن نے بھی انھیں ایک امت قرار دیا ہے :-

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ	بے شک ابراہیمؑ ہی ایک فرمانبردار اور بے لاگ امت تھے ؕ

پس شہادت قرآن کے مطابق، اسوۂ ابراہیمؑ کا آخری پیغام یہ ہوا کہ ہر سچا رہنما، بذات خود ایک قوم ہوتا ہے، یا بالفاظ دیگر سچے رہنماؤں کا فکر وایثار ہی وہ حقیقی مادہ ہے جس سے قومیں بنتی ہیں اور زندہ رہتی ہیں ؕ

اسلامی قربانی کے امتیازات

"اسوۂ ابراہیمؑ کی بحث ختم ہو چکی، اب ہم بتائیں گے کہ اسلام نے مسئلہ قربانی میں کیا کیا اصلاحیں کیں؟ ہم نے کتاب کے شروع میں یہ بیان کردیا ہے کہ زمانہ جاہلیت کی قربانی، فطرت انسانی کی کمزوری پر مبنی تھی، لوگ دیوتاؤں کے خوف سے یا فوائد کی امید پر قربانیاں کرتے تھے، اسلام کا سب سے پہلا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ایک عظیم الشان تاریخی واقعہ پر قربانی کی بنیاد رکھی اور اس رسم کو حضرت ابراہیمؑ کی یادگار، توقیر واحترام، اور جذبات ابراہیمی کی تازگی اور تقلید کا ذریعہ قرار دیا۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ دو نہایت ہی عظیم الشان واقعات حضرت ابراہیمؑ کی زندگی سے متعلق ہیں، ایک ذبح اسمٰعیلؑ کا واقعہ اور دوسرا خانہ کعبہ کی تعمیر کا واقعہ، اسلامی قربانی، ان دونوں واقعات کی بہترین یادگار ہے"۔

۲- قربانی کی تنظیم

اسلام نے قربانی کو تاریخ ہی سے وابستہ نہیں کیا بلکہ اس کا ایک باضابطہ نظام بھی قائم کیا ہے، دنیا بھر کے مسلمان حج کے لئے مکہ معظمہ میں جمع ہوتے ہیں، ۹ ذی الحج کو حج ہوتا ہے، دوسرے دن تمام حاجی، قربانگاہ خلیل ؑ پر جاتے ہیں اور اپنے اپنے جانور ذبح کرتے ہیں، اور اسی تاریخ کو تمام دنیا میں مسلمانوں کے ہر ایک شہر اور گاؤں اور (تقریباً) ہر ایک گھر میں، سنت خلیل ؑ کے مطابق قربانی کی جاتی ہے، قربانی کا یہ نظام، اسلام کی دوسری بڑی فضیلت ہے۔

۳- قربانی میں عید

اسلام کا تیسرا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے قربانی کے نام میں عید کے مفہوم کو شامل کیا اور قربانی کو عید اور نماز عید کے ساتھ جمع کرکے بتلادیا کہ مسلمانوں کی حقیقی عید نماز اور قربانی میں مضمر ہے! ۱۰ ذی الحجہ کو تمام دنیا کے مسلمان انتہائی مسرت اور شان و شکوہ کے ساتھ نماز عید ادا کرتے ہیں اور پھر قربانی دیتے ہیں، حضرت ابراہیم ؑ کی زمین میں اور حج کی تقریب پر جب کہ تمام دنیا کے منتخب مسلمان قربانگاہ خلیل ؑ پر کھڑے ہوں اور دنیائے اسلام عید کی خوشیاں منارہی ہو، نماز اور قربانی کے اجتماع سے یہ راز عظیم خودبخود فاش ہوا جاتا ہے کہ امت مسلمہ کی قومی مسرت، قومی اتحاد و تنظیم اور قومی عظمت و شان کا راز نماز اور قربانی میں مضمر ہے، اس عملی سبق کو قرآن کریم نے آیات ذیل میں بیان فرمایا ہے:-

(۱) اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ——— اے رسول! ہم نے تجھکو کثیر التعداد امت عطا فرمائی- چونکہ کثرت کا وجود وحدت کے منافی ہے، اس واسطے یہ ہوسکتا تھا کہ یہ کثرت، افراد امت میں تفرق و انتشار کا موجب ہو، اس واسطے دوسری آیت میں، اس خطرے کا مستقل علاج بتلایا گیا ہے۔

(۲) فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ـــــ (۱) نماز پڑھو اور (۲) قربانی دو۔
نماز اور قربانی سے کثرت امت کا انتشار مٹ جائیگا اور وحدت و تنظیم پیدا ہو جائیگی
اور نتیجہ تنظیم کی تشریح تیسری آیت میں موجود ہے:-
(۳) اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ـــــ تیری امت کی کثرت و تنظیم سے
تیرا دشمن تباہ ہو جائیگا؛

۴- روحانیت اور مادیت کا امتزاج

آپ نے جینی اور بدھ کا عقیدہ دیکھا' ان کے ہاں' جب تک انسان کے تمام مادی
رابطوں کو کامل طور پر فنا کر کے خاص روحانیت پیدا نہ کی جائے' نجات نہیں ہوتی۔
عیسائیت' یہودیت' اور ہندو دھرم کی قربانی اس کے خلاف ہے' وہ صرف دوسروں کی خون
اور گوشت سے خدا کو خوش کرنا چاہتے ہیں' اسلام نے صرف روحانیت یا صرف مادیت
کا مسلک اختیار نہیں کیا' وہ ایک طرف نماز پڑھواتا ہے جو تزکیۂ نفس کا بہترین ذریعہ
ہے' دوسری طرف تاریخی بنیاد پر جانوروں کے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے تاکہ لوگ
حضرت ابراہیمؑ کی طرح قوم کیلئے فکر کرنا' عمل کرنا' خوش اخلاق بننا اور قربانی دینا
سیکھیں' پس اسلامی قربانی کی چوتھی فضیلت یہ ہوئی کہ اس میں نہایت ہی خوبی سے مادی
اور روحانی کڑیوں کو ملا دیا گیا ہے؛

۵- اخلاقیات کی آبیاری

بلندی مقصد کے علاوہ' ظاہری رسم میں کئی خوبیاں موجود ہیں' ایک یہ کہ قربانی کی
کھال خیرات کی جائے اور گوشت غریبوں فقیروں' دوستوں اور ہمسایوں میں تقسیم
کیا جائے' اس حکم میں خدمت بھی موجود ہے اور محبت بھی' دوسرے یہ کہ ہر مسلمان اپنی
قربانی کے جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرے' اس کے یہ معنی ہیں کہ ملت ابراہیمؑ کا ہر فرزند
سپاہی بنے اور سمجھے کہ اسلام میں جین مت کی سی رقیق القلبی کے لئے کوئی جگہ موجود نہیں ہے

آخری حکم یہ ہے کہ ایک مسلمان جب قربانی کے جانور کو زمین پر گرائے تو حسب ذیل دعا پڑھے:

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

میں پوری یکسوئی سے اس کی پاک ذات کیلئے وقف ہوں جس نے ارض و سما کو پیدا کیا میں مشرکین کی جماعت میں شامل نہیں ہوں میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لئے وقف ہے جو پروردگار عالم ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے میرا فعل اسی کا حکم ہے اور میں امت مسلمہ کا ایک فرد ہوں۔

اب قرآن عظیم کی زبان سے اس عظیم الشان، اصلاح یافتہ اور پر معارف قربانی کی برکات کا احوال بھی سن لو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہوئیں۔ ارشاد ہوتا ہے:-

وَاٰتَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ

ہم نے اس کو دنیا میں بھلائی (عزت و آبرو آسودگی، اولاد صالح) عطا فرمائی اور آخرت میں بھی وہ بندگان نیک کی صف میں ہوگا۔

مسلمانو! حضرت ابراہیمؑ کی طرح ملت کے لئے فکر کرنا، عمل کرنا، خوش اخلاق بننا اور قربانی دینا سیکھو، پھر تم دنیائے حسنہ کے مالک بھی ہوگے اور آخرت صالحہ کے وارث بھی۔

۵۔ قربانی کی قبولیت کا راز

تمام مذاہب میں قربانی کی رسم موجود ہے لیکن قربانی کے معنی اور شرائط قبولیت جو معقول ہو، بالکل موجود نہیں ہیں۔ اسلام نے دنیا کے سامنے یہ حقیقت پیش کی ہے

[illegible]

قبولیت کا ہے، ارشاد ہوتا ہے:-

لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی	اللہ کو (قربانیوں کے) نہ گوشت پہنچتے ہیں اور نہ خون، بلکہ اُس کو تمہارا التقویٰ (پرہیزگاری) پہنچتا ہے؛

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے، جب تک تقویٰ نہ ہو، قربانی قبول نہیں ہوگی، پس اسلامی قربانی کی آخری فضیلت یہ ہوئی کہ اس کا انتہائی مقصد اور شرطِ قبولیت تقویٰ (انسان کا گناہوں اور کمزوریوں سے پاک ہونا) ہے؛

ضرورت ہے کہ مسلمان اس مقصد عالی کو سمجھیں، اور اس حقیقت کو فراموش نہ کریں کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو کچھ بھی کیا تھا، امت کے لئے کیا تھا، جب تک ہماری قربانی کا خون، امت مسلمہ کی زندگی اور مقاصد امت کی شادابی اور آبیاری میں صرف نہ ہوگا صرف جانوروں کا چمڑہ اتارنے سے کچھ حاصل نہیں، مسلمانو! اسلامی قربانی کی مادیت اور روحانیت کو سمجھو! اسلام ایک حیوان کو قربان ہونے کے لئے ایک مسلمان کے سامنے لاتا ہے اور ساتھ ہی قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے الفاظ اُس کی زبان سے کہلواتا ہے، اب اگر ہر سال اس بلند آہنگ اور عملکے اعادہ و تکرار کے باوجود حیوان تو قربان ہو، اور مسلمان قربانی سے بھاگے تو اس بے حمیتی اور حیوانیت کا انجام جو کچھ بھی ہوگا، ظاہر ہے، ہاں! اے ظاہر پرستی کے طلبگارو! رسم کے پجاریو! بھیڑوں اور بکریوں کی گلوں پر ہاتھ صاف کرنیوالو! اُس حیوان کی طرف بھی دیکھو جو خود غرضی اور نفس پرستی کی شکل میں تمہارے اندر موجود ہے، آؤ! سب سے پہلے اُس حیوان کو ذبح کریں اور پاکبازی حاصل کریں مسلمانو! مقام عدل کی طرف آؤ، مقام ابراہیمؑ کی طرف آؤ، اور خون اسمٰعیلؑ سے غیرت و شہادت کی زندگی طلب کرو اور حیات انسانی پر حقیقت اسلام اور صداقت قرآن کے بند دروازے کھول دو، اسوۂ ابراہیمؑ کا حقیقی پیغام یہی ہے؛

برادرانِ وطن سے گذارش

آج تمام دنیا اتحاد و آزادی کی تلاش میں ہے۔ مگر اس نعمت کی بجائے ہر طرف ظلم و تعصب کا دور دورہ ہے۔ اور اقوام اور مذاہب کے اتحاد کا سوال روز بروز پیچیدہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ہم نے اس مختصر لیکچر میں اسی پیچیدہ سوال کا حل جو پیغمبر اسلام علیہ السلام نے دنیا کے سامنے رکھا، پیش کیا ہے۔ ہم یہ اہم لیکچر اپنے ہندو، سکھ اور عیسائی بھائیوں کی نذر کرتے ہیں:۔

پیغمبر اسلام کی تعلیم اور زندگی کی اہمیت کے متعلق مہاتما گاندھی کے یہ الفاظ کافی ہونگے:۔

"مغربی دنیا اندھیرے میں غرق تھی کہ ایک روشن ستارہ افق مشرق سے چمکا اور اس نے بیقرار دنیا کو روشنی اور تسلی کا پیغام دیا۔ اسلام جھوٹا مذہب نہیں ہے۔ ہندوؤں کو بھی ادب سے اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ پھر وہ میری ہی طرح اسکو محبت کرنے لگیں گے۔ میں پیغمبر اسلام کی زندگی کا مطالعہ کر رہا تھا۔ جب کتاب کی دوسری جلد ختم ہوگئی تو مجھے افسوس ہوا کہ ایسی عظیم الشان زندگی کا مطالعہ کرنے کے لئے میرے پاس اور کچھ نہیں تھا۔" (ینگ انڈیا)

انقلاب فرانس کے بانی روسو نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ اپنی کتاب میثاق ملی میں لکھتا ہے کہ "حضرت محمد ایک صحیح دماغ رکھنے والے انسان اور بلند مرتبہ سیاسی مدبر تھے۔ انہوں نے جو سیاسی نظام قائم کیا، وہ نہایت شاندار تھا۔" لیکن اس صدی میں لینن نے روسو سے بہت زیادہ پیشقدمی کی ہے۔ ایمر شکیب ارسلان جب روس میں لینن سے ملے تو اس نے معذرت کی کہ ہم اسلام کے اصولوں کو کیوں اختیار نہیں کرتے؟ لینن نے کہا "چونکہ یورپ میں سرمایہ داری اور امپیریلزم انتہائی نقطہ تک پہنچ چکے ہیں، اس واسطے ہم مجبور ہیں کہ یہاں روس میں انتہائی مخالفانہ صورت اختیار کریں۔ ورنہ ہم کو معلوم ہے کہ دنیا میں جب کبھی اعتدال پیدا ہوگا تو اس کی صورت سوائے اسلام کے اور کوئی نہ ہوگی۔" اب پچھلے دنوں یہی خیال انگلستان

کے سب سے بڑے ادیب اور فلسفر مسٹر برنارڈ شا نے نامہ نگار "لائٹ" (لاہور) سے ظاہر کیا ہے جبکہ آپ جنوری ۱۹۳۳ء میں بمبئی تشریف لائے تھے۔ مسٹر شا کے صحیح الفاظ یہ ہیں:۔

میں نے حضرت محمدؐ کی سیرت کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ بڑے بلند پایہ انسان تھے۔ میری رائے میں انہیں انسانیت کا نجات دہندہ کہنا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے۔ کہ اگر ان جیسا انسان موجودہ دنیا کا ڈکٹیٹر بن جاتا تو اس کے پیچیدہ مسائل ایسے طریق پر حل کر دیتا کہ انسانی دنیا، مطلوبہ امن و راحت کی دولت سے مالامال ہوجاتی۔"

پیغمبر اسلام کے جنم دن (یوم النبیؐ) کے لیکچروں میں لارڈ ہیڈلے فاروق اور مولینا سید سلیمان ندوی کے لیکچروں کا عنوان ایک ہی تھا، اسواسطے ہم نے دونوں کا خلاصہ اس رسالہ میں جمع کر دیا ہے۔ سید صاحب کا لیکچر (رسول وحدت) زیادہ عالمانہ تھا، اسے آسان کر دیا گیا ہے، بعض عبارتیں سید صاحب کی ہیں۔ اور بعض کو آسانی کے لئے بدل دیا گیا ہے۔ ہمارے غیر مسلم بھائی اگر مکمل واقفیت چاہیں تو وہ دو اور رسائل "جگت گورو" اور "خدا کا آخری پیغام" ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

اگر "ایکتا کے اوتار" سے ہماری انسانی برادری میں ایکتا اور پریم پیدا ہو سکے تو میں ہر ایک بھائی سے اپیل کرونگا۔ کہ وہ اس رسالہ کو دوسرے لوگوں تک پہنچانے میں سیرت کمیٹی پٹی کی امداد کرے

عبدالمجید قریشی

خادم تحریک یوم النبی

ایڈیٹر "ایمان" پٹی (ضلع لاہور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاجدارِ اخوّت

اخبارات، تار، ہوائی جہاز اور سیر و سفر کی سہولتوں نے زمین کے دور دراز گوشوں میں بسنے والوں انسانوں کی زندگی میں اس قدر وابستگی پیدا کر دی ہے۔ کہ وہ ایک خاندان کے ممبر معلوم ہوتے ہیں، چند سال پہلے جن قوموں اور ملکوں کو ہم اپنے سے بالکل علیحدہ سمجھتے تھے۔ ان کی تعلیم و تجارت اور صنعت و زراعت کے مسائل اب بالکل ذاتی اور مقامی مسائل کی طرح ہمارے حالات پر اثر ڈال رہے ہیں۔ ایسے زمانے میں انسان کی مستقل خوشحالی اور ترقی کا انحصار اس پر ہے۔ کہ دنیا کی تمام قوموں میں ایسی ہمدردی اور محبت موجود ہو کہ گویا وہ ایک ہی خاندان کے ممبر ہیں۔

لیکن حالت اس کے برخلاف ہے۔ ریل، تار، ہوائی جہاز وغیرہ کے ذریعہ ہمارے جسم جس قدر ایک دوسرے سے قریب ہوئے ہیں۔ اغراض و مفاد کے اعتبار سے ہماری روحوں اور دلوں میں اسی قدر زیادہ اختلاف پڑ گیا ہے۔ اور اب انسان ایک ایسی رُوحی سائنس کا محتاج ہے۔ جو اقوام عالم کے دلوں میں ان کے جسموں کی طرح ایک سچا اتحاد پیدا کر دے، یا یوں کہو کہ اب انسانی زندگی کا حقیقی مسئلہ یہ ہے۔ کہ اقوام عالم میں ایسا رُوحانی اتحاد پیدا کیا جائے جو انسانیت کے خونخوار اور جنگ آزما گروہوں کو ایک حقیقی برادری کی صورت میں تبدیل کر دے۔

اسلام سے پہلے اقوام عالم کے تعلقات کی کیا حالت تھی؟ کسی کو یہ احساس نہ تھا

کہ تمام اقوام عالم، بہ حیثیت مجموعی، ایک شے ہے۔ خاندان، رنگ، نسل وطینت، حکومت تعلیم اور مذہب ہر چیز ایک قوم کو دوسری سے جدا کر رہی تھی۔ یہودی اور عیسائی ایک میز پر بیٹھ کر کھانا نہ کھا سکتے تھے۔ برہمن شودروں کو اپنا پیدائشی غلام خیال کرتے تھے۔ عجمی عربوں کو اور عرب عجمیوں کو حقیر و ناچیز سمجھتے تھے۔ عیسائی لوگ اپنے سوا کسی اور قوم کے وجود ہی کو تسلیم نہ کرتے تھے۔ آرین اپنے کروڑوں ہموطنوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ کہ انہیں چھو لینے سے انسان ناپاک ہو جاتا ہے۔ دنیا کی بڑی بڑی قومیں اپنے ہی وطن، خاندان اور مذہب کو مقدس سمجھتی تھیں اور دوسری قوموں سے لڑتی تھیں۔ راہبوں اور پنڈتوں کی مرضی قانون کا درجہ رکھتی تھی۔ اور برہمنوں کو یہ بھی گوارا نہ تھا۔ کہ شودر کے کان میں وید کی آواز پہنچے۔

ہمارے زمانے میں انسانی دماغ کی سب سے بڑی کوشش یہ ہے۔ کہ اقوام عالم کو ایک متحدہ اور مربوط اخوت کا لباس پہنایا جائے۔ خادمان انسانیت کہیں رنگ اور زبان کے نام پر اقوام عالم کو متحد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کہیں ذات اور نسل کے نام پر، اور کہیں سلطنت اور وطن کے نام پر، مگر ایک مشترکہ برادری پیدا ہونے کی بجائے ہر جگہ وطنوں، نسلوں، زبانوں، سلطنتوں اور رنگوں کی جنگ شروع ہو رہی ہے۔ جمعیت الاقوام کے قیام کا مقصد یہ تھا۔ کہ اس کے ذریعہ سے ایسی متحدہ فضا اور بین الاقوامی ذہنیت پیدا ہو جس کی مدد سے ہم دوسری قوموں اور دوسرے ملکوں کے لوگوں کو سمجھ سکیں اور انہیں متحد کر سکیں۔ لیکن دلوں کے ایک نہ ہونے کے باعث لیگ اقوام بھی زبردست کمزوروں کو کھا جانے کی فکر میں ہیں۔ بعض لوگ اس نتیجے پر پہنچے ہیں۔ کہ وطن نسل اور زبان کی قسم کا کوئی مادی رشتہ مختلف قوموں کو ایک مرکز پر جمع نہیں کر سکتا۔ اس لئے انہوں نے کئی "غیر مادی تخیل" پیدا کئے ہیں۔ اور وہ انسانیت، مزدور کی سوشلزم اور بالشوازم کے نام پر اقوام عالم کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ لیکن ان کوششوں سے بھی مردم

روپے والوں کے دشمن ہو رہے ہیں۔ کسانوں کی زمینداری سے نفرت بڑھ رہی ہے اور انسان کا ایک حصہ دوسرے حصے سے متنفر ہو رہا ہے۔

حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے جس قدر نبی اس دنیا میں آئے، وہ سب کے سب اخوت انسانی کے داعی تھے۔ لیکن چونکہ وہ خاص خاص قوموں کے لئے آئے تھے اور محدود وقتوں کے لئے آئے تھے۔ اس واسطے وہ اقوام عالم کو اخوت عامہ کے راستے پر نہ ڈال سکے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ترقی یافتہ دنیا کے نبی تھے۔ لیکن وہ خود ہی فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ انہوں نے بنی نوع انسان کے لئے اخوت اور محبت کا کوئی ایسا عالمگیر سانچہ مہیا نہ کیا۔ جس میں مختلف قوموں کے لوگ داخل ہوتے اور صحیح معنوں میں ایک متحدہ قوم بن جاتے۔ چنانچہ آج بھی دنیا میں کہیں متحدہ عیسائی قومیت موجود نہیں ہے۔ مسیحی دنیا جس چیز کا نام ہے۔ وہ جدا جدا قومیتیں اور الگ الگ قومی اور وطنی حکومتیں ہیں۔ یہ حکومتیں قومی اور وطنی جنگوں سے نکلنا چاہتی ہیں۔ اور بڑی بے قراری سے ایک متحدہ یورپ اور متحدہ عیسائی قومیت کی آرزومند ہیں۔ مگر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

اسلام اور اتحاد اقوام

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا کے سب سے پہلے اور سب سے آخری عالمگیر نبی اور بین الاقوامی رسول ہیں۔ انسان کا قومی مذہب اسلام ہے۔ اور دنیا کا بین الاقوامی قانون اسلام ہے۔ ان دعووں کی سچائی کی سب سے بڑی دلیل اسلام کا اپنا نظام ہے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و اخلاق کے وہ کارنامے ہیں جو ایک غیر فانی اور ناقابل انکار عمل کی صورت میں دنیا کے سامنے موجود ہیں۔

دیکھو! غیر مسلم دنیا صدیوں سے انسانیت کے چھوٹے چھوٹے گروہوں کو ایک متحدہ قومیت کے سانچے میں ڈھال رہی ہے۔ اور ناکام ہے۔ مگر اسلام؟ اس نے کروڑوں

آدمیوں کو اپنے آغوش میں لیا اور نسل و خون کی تفریق، ملک و مقام کے اختلافات، امیری و غریبی کے امتیاز، فاتح و مفتوح کے فرق اور زبانوں اور رنگتوں کے اختلاف کے باوجود ایک قوم بنادیا۔ اس کے آغوش میں تمام ملکوں و ملتوں کے اکابر اور تمام قوموں اور مذہبوں کے پیرو نہایت ہی کثرت سے آئے اور ایک ہو گئے۔ ورقہ بن نوفل (عیسائی)، عثمان بن طلحہ (ابراہیمی)، عبداللہ بن سلام (یہودی)، بلال حبشی، صہیب رومی، سلمان پارسی، عداس نینوائی، قومیت و طینت اور مذہب کے اختلافات کے ساتھ آئے اور ریگزار عرب کے بدوؤں میں شامل ہو کر اسلامی قومیت میں اس طرح جذب ہو گئے۔ کہ زندگی بھر تک ان کے اختلافوں نے اتحاد اسلام پر اثر نہ ڈالا۔ ہندوستان کے جینیوں، ہندوؤں اچھوتوں اور برہمنوں میں ہزار سال کی یکجائی کے باوجود صحیح قومی روح پیدا نہ ہو سکی مگر انہی اقوام کے افراد جب مسلمان ہو جاتے ہیں۔ تو ذات و پات کی تفریق اور چھوت چھات کے اختلاف کو مٹا کر ایک قوم بن جاتے ہیں۔ عرب، ایران، افغانستان، مصر، ہر جگہ یہی حالت ہے۔ اسلام جس ملک میں گیا ہے۔ اس نے وہاں کی نسلی، لسانی اور وطنی قومیتوں کو دبا دیا ہے۔ اور اپنی قومیت پیدا کی ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ مسلمان آج زمین کے گوشے گوشے میں آباد ہیں۔ ایک دوسرے کے حال سے بیخبر ہیں۔ اُن میں کوئی مادی تعلق موجود نہیں ہے تاہم ان میں ہر جگہ وہ روح اتحاد موجود ہے۔ جو ایک متحدہ قوم کے افراد میں پائی جانی چاہیئے اور یہ ایک ایسی ناقابل انکار حقیقت ہے۔ جس سے کوئی باخبر آدمی انکار کی جرأت نہیں کر سکتا۔

پروفیسر ہرگرونجے لکھتے ہیں:۔

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی نئے دین کے مدعی نہ تھے۔ اور عیسائیت، اگرچہ اسلام سے پہلے ہی یونانیوں اور یہودیوں، وحشیوں اور سیتھیوں، غلام اور آزاد کی تفریق مٹا چکی تھی لیکن پیغمبر اسلام نے جب جمعیتہ الاقوام کی بنیاد ڈالی۔ اس نے قوموں

کے اتحاد اور انسانوں کی اخوت کو ایسی وسیع بنیادوں پر قائم کردیا۔ جس سے دوسری اقوام کو شرمندہ ہونا چاہیئے۔ آج سفید فام عیسائیوں کے گرجوں میں سیاہ فام عیسائیوں کا داخل ہونا ممنوع ہے۔ ایک عیسائی مشنری کا اس لئے بائیکاٹ کیا جاتا ہے۔ کہ وہ ایک حبشی عورت سے شادی کر لیتا ہے۔ لوگوں کو زندہ جلایا جاتا ہے اور اس قسم کی بیشمار چیزیں ہیں جو مسلمانوں کی طرف سے عیسائیوں کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ اور اس سے عیسائی سوسائٹی کی پست حالت پر استدلال کیا جاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ جمعیتہ الاقوام کے تخیل کی طرف جس طریق سے مسلمان اقوام نے پیشقدمی کی ہے۔ اس سے بہتر مثال دوسری اقوام پیش نہیں کرسکتیں۔" مسٹر ایچ' جی' ویلز فرماتے ہیں[۱]:۔

"اسلام نے خدا کی نظروں میں تمام بنی نوع انسان کی برابری اور مسلمانوں کی اندرونی اخوت پر بلا لحاظ رنگ' نسل اور درجے کے بہت زور دیا ہے۔ اور یہ اصول اسلام کی طاقت اور قوت کا سرچشمہ ہے۔"

رینان کا یہ قول کس قدر اہم ہے[۲]:۔

"اسلام ایک محیر العقول ولولہ انگیز طاقت ہے، جو زبان' جنسیت' وطنیت' طبیعت اور مزاج کے اختلافات کے باوجود اپنے حلقہ بگوشوں کو ایک کر دیتی ہے۔"

ابھی پچھلے دنوں یورپ کے سب سے بڑے ادیب اور فلاسفر مسٹر برنرڈ شا نے بھی خیال ظاہر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ آپ دنیا کے کسی حصہ میں کسی شخص سے سوال کریں۔ کہ آپ کون ہیں؟ کوئی کہے گا "انگریز۔ کوئی کہیگا جاپانی، کوئی کہیگا امریکن لیکن مسلمان وہ ترک ہوں یا عرب۔ ہندی ہوں یا ایرانی۔ کبھی اپنے اپنے ملکوں کا نام نہ لیں گے۔ بلکہ اپنے آپ کو صرف "مسلمان" کہیں گے اس نکتہ سے ثابت ہے کہ اسلامی تعلیم نے کیسی کامیابی کے ساتھ خلق خدا کے علیحدگی کے جذبات کو مٹا کر ان میں ایک متحدہ قومیت کی عملی روح پھونکی ہے۔ اسی سلسلے میں

[۱] آوٹ لائن آف ہسٹری۔

آگے چل کر مسٹر شا نے یہ خیال ظاہر کیا ہے۔ کہ ایک سو سال تک تمام یورپ عموماً اور انگلستان خصوصاً ایسا مذہب قبول کرلیں گے۔ جو یا تو اسلام ہوگا اور یا اسلام کے مشابہ۔

ان اقتباسات و بیانات سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ اسلامی نظام ہی ایک ایسا نظام ہے۔ جو مختلف قوموں کو ایک متحدہ قومیت کی شکل دیتے ہیں۔ ایک بہترین بین الاقوامی سانچہ ثابت ہوا ہے۔ اور مسلمانوں کی قوم ہی ایک بہترین قوم ہے۔ جو اس دنیا میں انسانی اخوت اور بین الاقوامی قومیت کی ایک بہترین مثال قرار پا سکتی ہے۔

اسلام کا دستور اخوت

اسلام کے تمام خط وخال سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا وہ تمام انسانوں کا متحدہ دین ہے۔ اس کے احکام وعقائد میں ایک ایسی عالمگیری موجود ہے۔ جو ہر قدم پر اقوام عالم کے لئے ایک متحدہ اخوت کا پیغام بن جاتی ہے۔

اسلام کا خدا، رب العلمین ہے۔ یعنی تمام اقوام عالم کو پالنے والا ہے۔

اسلام کا رسول، رحمۃ للعالمین ہے۔ یعنی تمام اقوام عالم کے لئے رحمت۔

اسلام کی کتاب، ذکریٰ للعالمین ہے۔ یعنی تمام اقوام عالم کے لئے نصیحت۔

اسلام کا وطن، کوئی خاص قطعہ زمین نہیں بلکہ یہ ساری کائنات اس کا وطن ہے۔ ع

مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

اقوام عالم کا اسلام کی طرف کھنچے چلے آنا کوئی اتفاقی واقعہ نہیں، یہ فطرت اسلام کی وسعت کا نتیجہ ہے۔ اسلام کے قانون اخوت میں یہ حیرت انگیز قوت موجود ہے۔ کہ وہ دوسروں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے اپنا بنا لیتی ہے۔ اسلام کے قانون اخوت بین دفعات ذیل موجود ہیں۔

ا۔ تمام انسانی دنیا ایک امت ہے۔ تمام انسان ایک فطرت پر پیدا کئے گئے ہیں۔ تمام کائنات ایک قانون کے تابع ہے۔ اور زمین و آسمان میں جو کچھ بنایا گیا ہے۔ سب

انسان کے فائدے اور خدمت کے لئے ہے۔ انسان کی بھلائی کا راز یہ ہے۔ کہ وہ قانون الٰہی کی اطاعت کرے۔ اطاعت و نافرمانی کی جزا و سزا میں سب انسان برابر ہیں۔ یہ سب احکام قرآن میں موجود ہیں۔

۲۔ قرآن میں ہے کہ انسانی اختلافات کا ایک حصہ۔ رنگ نسل، زبان وغیرہ بالکل قدرتی ہے۔ یہ اختلاف قدرتِ خداوندی کا نشان ہے۔ ذاتیں اور قبیلے صرف ایک دوسرے کو پہچاننے کے لئے ہیں۔ اللہ کے نزدیک انسان کی بڑائی کا معیار تقویٰ ہے۔ ان احکام کے ذریعہ اسلام نے یہ کوشش کی ہے کہ ذات و خاندان، زبان، اور نسل کے نام پر انسان الگ الگ جتھے قائم نہ کریں۔

۳۔ قرآن میں ہے۔ کہ دنیا کی ہر ایک قوم میں خدا کے نبی آئے ہیں (وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلٌ) یہ نبی ایک ہی جماعت کے افراد اور ایک ہی سلسلہ ہدایت کی مختلف کڑیاں تھے۔ اور اصولی طور پر ایک ہی تعلیم لائے تھے؛ پس ان نبیوں کے نام پر انسان کو جدا جدا نہیں ہونا چاہیئے۔

۴۔ قرآن میں تاکیدی حکم ہے کہ تمام گذشتہ نبیوں اور کتابوں کا احترام کرنا اور ان صداقت پر ایمان لانا ضروری ہے۔

۵۔ قرآن میں لکھا ہے۔ کہ تمام مذاہب کے عبادتخانوں کا احترام و حفاظت کی جائے۔ اور ان میں ہر قوم کو خدا کی عبادت کا حق حاصل ہو۔

۶۔ قرآن کا ایک حکم یہ ہے۔ کہ اُن تمام کاموں میں جن کی بنیاد نیکی اور تقویٰ پر ہے تمام انسانوں کو ایک دوسرے کی امداد کرنی چاہیئے۔

۷۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ سب سے اچھی زندگی یہ ہے کہ انسان خلق خدا کے ساتھ نیک سلوک کرے۔

اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عِیَالِہٖ (حدیث) تمام مخلوق، خدا کا کنبہ ہے۔ خدا کے نزدیک بہتر وہی ہے جو اس کی مخلوق کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔

۹۔ فقیر، مسکین، مسافر اور قرض دار کی فلاح اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے ہر مسلما
کو لازمی طور پر اپنے ترقی کرنے والے اموال کا چالیسواں حصہ، ہر سال خرچ کرنا چاہیئے۔

اسلامی اخوت پر ایک نظر

یہ ہے اسلام کا دستور اخوت، آپ غور کریں۔ کہ جو قوم خدا کی پرورش فرمائی، رسو
کی رحمت اور قرآن کی نصیحت میں تمام اقوام عالم کو شریک سمجھتی ہو۔ جیسے یہ حکم ہو کہ د
اولاد آدم کو اپنے ہم وطنوں بھائیوں کی طرح پیار کرے۔ حکم قرآنی کے مطابق انسانی اخ
و مساوات کی قائل ہو، قوموں کے اختلاف کو الٰہی رواداری اور عالمگیر اخوت کی نظ
سے دیکھے، تمام نبیوں تمام کتابوں اور تمام مذاہب کے عبادت خانوں کی عزت کو جزو ا
سمجھے، ہر ایک نیکی میں دوسروں کی امداد پر کمر بستہ رہے۔ اور یہ سب اصول اس کی زندگ
کا شعار ہوں، اس کے قانون کا جزو ہوں۔ اور اس کے روزمرہ میں داخل ہوں۔ تو اد
حالات میں دنیا کی کس قوم کو جرات ہوگی۔ کہ اس کے دائرہ محبت سے الگ ہو سکے؟
بہت سے لوگ اسلام کی اشاعت و فتوحات کی تیزی پر تعجب کرتے ہیں۔ انہیں معلو
ہونا چاہیئے۔ کہ جس قوم کی دماغی اور روحانی وسعتوں کا یہ عالم ہو، اگر وہ نصف صدی
میں نصف دنیا پر چھا گئی۔ تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

اسلام کے دستور اخوت سے اس کی وسعت و قبولیت کا راز ظاہر ہے۔ دوسرے
مذاہب نے اپنے وجود کو اس خیال پر قائم کیا ہے کہ "ان کے مخصوص مذہب کے
سوا، باقی تمام مذاہب اور ان کے بزرگ غلطی پر ہیں۔ یا ناقابل توجہ ہیں" مگر اسلا
نے اپنے وجود کو تمام نبیوں، تمام مذہبوں اور تمام آسمانی کتابوں کی صداقت کی تصدیق
پر، جو وہ اپنے اندر رکھتے تھے، قائم کیا ہے" ایک یہودی کہتا ہے "حضرت موسیٰ ع کے
سوا سب کو چھوڑ دو" مگر ایک مسلمان کہتا ہے "حضرت محمد ص کے ساتھ سب نبیوں اور
کتابوں کو شامل کر لو۔ اور ایک ہو جاؤ" اب ایک غیرت مند ہندو یا عیسائی کس کو قبول

کریگا؟ ایک یہودی کو جو اس کے دل سے تاریخ اور مذہب کی تمام پہلی محبتوں کو نکالتا ہے یا ایک مسلمان کو جو پہلی محبتوں کو قائم رکھتا ہے اور ان کے ساتھ ایک نئی محبت کو شامل کرتا ہے؟

پھر اسلام نے نبیوں کی تحقیق اور تشخیص کے معاملے کو بھی محدود نہیں کیا۔ یعنی یہ نہیں کہا کہ سچے نبی صرف وہی ہیں۔ جن کے ناموں کا ذکر قرآن میں آیا ہے؛ بلکہ قرآن میں صاف صاف یہ آیت موجود ہے "کوئی قوم ایسی نہیں گذری جس میں کوئی نبی نہ آیا ہو" ایک حدیث میں نبیوں کی تعداد ایک لاکھ ۲۴ ہزار بیان کی گئی ہے۔ اسلام نے ان سب کی تصدیق واحترام کو ضروری قرار دیکر اپنے دائرہ اتحاد کو خدا تعالیٰ کی تمام مخلوق تک وسیع کردیا ہے۔ اور اپنے احترام وحق پسندی اور اخوت وروداری کے بازوؤں کو اتنا پھیلا دیا ہے۔ کہ دنیا کی تمام قومیں اور تمام مذاہب اس کے آغوش میں آگئے ہیں۔

اسلام صرف مذہبی فرقہ بندی ہی کا مخالف نہیں۔ بلکہ عام انسانیت میں بھی ہر قسم کی تفریق کا خواہ وہ کسی نام سے کی جائے، مخالف ہے۔ اسلام نہ صرف تمام نوع انسان کو بلکہ تمام کائنات کو ایک ذات واحد کی حیثیت دیتا ہے۔ اور بتلاتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک مشترکہ مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور اسی اصول پر وہ حکم دیتا ہے۔ کہ تمام انسان ایسے کاموں کی تکمیل میں جن کی بنا نیکی اور پرہیزگاری پر ہے، ایک دوسرے کی امداد کریں۔ اسلام دین اور دنیا کے فرق کو مٹاتا ہے۔ اسلام عورتوں اور غلاموں کو جن کی پست حالی عام انسانی ترقی اور اتحاد کی راہ میں روک تھی، مساوات کے حقوق دیتا ہے۔ اسلام میں پیدائشی مسلمان اور نومسلم کا درجہ بالکل برابر ہے۔ عنداللہ فرق ہے۔ تو صرف تقویٰ کی کمی زیادتی کی بنا پر۔ اسلام نے کسی کو اچھوت قرار نہیں دیا۔ اسلام کسی حسب ونسب کا قائل نہیں ہے۔ نہ اس میں کالے اور گورے کی تفریق ہے۔ نہ زبان اور خون کا امتیاز ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اللہ کے نزدیک وہی انسان زیادہ معزز ہے جو زیادہ نیک وپرہیزگار ہے۔ قرآن

کے نزدیک نذر و نیاز، جلوس اور قربانی کی چند رسموں کا نام دین نہیں بلکہ وہ فطرت اور انسانیت کی ایک ابدی سچائی ہے اور اس کے تمام احکام کا منشا یہ ہے کہ ظلم و فساد اور تعصب و عناد کی ہر علامت مٹ جائے اور آدم کی اولاد اتحاد و اخوت کی دنیا میں وہ بلند مرتبہ حاصل کرے جہاں خدا کی توحید اور انسان کی وحدت کے سوا کوئی دوسری چیز موجود نہو۔

اسلام اور اہل کتاب

اسلام کے دستور اخوت کی تشریح کے بعد دو سوال باقی رہ جاتے ہیں، ایک یہ کہ اسلام نے ان اقوام کے ساتھ جو مسلمان نہیں ہوئیں۔ کیسے سلوک کی تعلیم دی ہے؟ دوسرے یہ کہ اس نے دوسروں تک اسلام کا پیغام پہنچانے اور دنیا میں متحدہ برادری قائم کرنے میں اخوت کے اصولوں پر کہاں تک عمل کرکے دکھایا ہے؟

پیغمبر اسلام کے عیسائیت کے ساتھ تعلقات

ہمیں سب سے پہلے یہ بیان کرنا چاہیئے کہ عیسائیت کے نبیوں اور کتابوں اور عیسائی سلطنتوں اور قوموں کے ساتھ پیغمبر اسلام ؑ کا سلوک کیا تھا؟

ہمارے عیسائی بھائیوں کے دل میں، حضرت مریم ؑ اور حضرت عیسیٰ ؑ کی عزت اور تعظیم کے متعلق جس قدر بھی خواہشات پیدا ہو سکتی ہیں، پیغمبر ؐ اسلام نے اُن سب کو نہایت خوبی سے پورا کیا ہے؛ قرآن پاک میں جا بجا ان بزرگوں کا ذکر پاک موجود ہے؛ سورۂ آل عمران میں ہے:-

"مریم کے پاس اللہ کے فرشتے آئے اور کہا اے مریم! تجھے اللہ نے قبولیت بخشی ہے تجھے پاک کیا ہے۔ تجھے تمام اقوام عالم کی عورتوں میں فضیلت بخشی ہے ...... اے مریم! خدا تجھ کو ایک کلمے کی خوشخبری دیتا ہے، جس کا نام مسیح ہوگا۔ وہ دنیا اور آخرت دونوں میں عزت دار ہوگا، اللہ کا مقرب، ماں کی گود میں اور بڑا ہو کر لوگوں سے خطاب کرے گا۔ وہ اللہ کا نیک بندہ ہے ...... حضرت عیسیٰ ؑ کی مثال حضرت آدم کی طرح ہے جسے خدا نے مٹی سے بنایا تھا، یہ خدا کی سچائی ہے" (قرآن)

عیسائی حکمران (نجاشی) سے مسلمانوں کا سب سے پہلا واسطہ اس وقت پڑا جب
پناہ لینے کے لئے حبش میں چلے گئے تھے۔ نجاشی نے مسلمانوں سے نہایت اچھا
عیسیٰ کے متعلق مسلمانوں کے خیالات معلوم کئے۔ اور جب حضرت جعفر طیار نے
متعلق مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کی تو نجاشی رونے لگا اور بے اختیار پکار اٹھا

"خدا کی قسم! یہ قرآن اور انجیل تو ایک ہی نور کی دو کرنیں ہیں"

یہ واقعہ تاریخ میں موجود ہے اور کوئی عیسائی اس سے انکار نہیں کر سکتا
اسلام نے حضرت دحیہ کلبی کو قیصر روم ہرقل کے پاس خط دیکر روانہ فرمایا۔ قیصر
دربار میں بلاکر محمد عربی صلعم کے متعلق بہت لمبی چوڑی جرح کی۔ پھر سر دربار
کا اس طرح اعلان کیا:-

"اس میں نبی موعود کی علامتیں پائی جاتی ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ وہ ایک دن
بیت المقدس کا وارث ہوگا"

نجران میں عیسائیوں کا ایک عظیم الشان کلیسا تھا جسے وہ حرم کعبہ کا جو
اس کلیسا کے اوقاف کی آمدنی دو لاکھ سالانہ تھی۔ پیغمبر اسلام نے ان لوگوں کو
خط لکھا تو ابوحارث (لارڈ بشپ) اپنے مذہب کے ۶۰ پادریوں کو ساتھ لے کر جو
پیغمبر اسلام نے ان کی سکونت کے لئے مسجد نبوی میں انتظام کیا۔ تھوڑی دیر
تو آپ نے اجازت دی اور ان لوگوں نے مسجد نبوی میں مشرق کی طرف منہ کر کے
مطابق نماز پڑھی۔ اس جماعت کی موجودگی میں قرآن کی ۸۰ آیتیں اتری تھیں۔
اور اہل کتاب کے تعلق کی بحث ہے۔ اسلام کی بین الاقوامی حیثیت کی تشریح
الزامات کی تردید ہے۔ اور حضرت عیسےٰ ع اور حضرت مریم کی عظمت و شان کا اعتـ
اصولی طور پر دین عیسوی کی صداقت کو تسلیم کرنے کے بعد وہ اصول بیان کی
سے آسمانی کتابوں کے ماننے والے سب کے سب جمع ہو کر ایک متحدہ پلیٹ فارم بنا سکتے ہیں

اس اصول اتحاد کو حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے :۔

"اے اہل کتاب آؤ ایک بات پر ہم سب متحد ہو جائیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے۔ اور وہ یہ کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور اپنے جیسے انسانوں کے لئے خدائی کا درجہ تجویز نہ کریں" (قرآن)

دیکھو! یہ قرآن کے الفاظ ہیں۔ تمام قوموں کو جمع کرنے کے لئے کوئی ناممکن شرط پیش نہیں کی گئی۔ کوئی بڑا عہدنامہ اور کوئی بڑی پیچیدہ سیاسی الجھن پیدا نہیں کی گئی۔ صرف یہ کہا گیا ہے۔ کہ تم بھی ایک خدا کی عبادت کرو۔ ہم بھی ایک خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ جب ہم اور تم ایک مالک کے غلام اور ایک بادشاہ کی رعیت بن گئے۔ تو بھائی بھائی ہیں۔ آپ اس بے میل، پاک اور غیر فانی رشتۂ توحید کا وطن، خون، زبان اور حکومت کے فانی اور عارضی رشتوں سے مقابلہ کرو۔ اور دیکھو کہ تمام دنیا کے انسانوں کو کس کے سایۂ رحمت میں دائمی پناہ مل سکتی ہے؟ یہ ساری دنیا ایک وطن اور ایک زبان اور ایک حکومت پر جمع ہو سکتی ہے۔ یا ایک خدا پر؟ تم اس ایک سادہ سے نکتے سے اسلام کی سچائی اور اسلامی اصولوں کی عظمت کا اندازہ کر سکتے ہو۔

ابو حارث اسقف اعظم پر چند روز کی ملاقات کا اثر یہ تھا کہ اس نے اپنا فیصلہ حضرت محمدؐ کی رائے پر چھوڑ دیا۔ اس پر پیغمبر اسلام نے عیسائیان نجران کو ایک سند عطا فرمائی جس کے بعض جملے حسب ذیل ہیں :۔

۱۔ نجران والوں کو خدا اور محمد رسول اللہ کی حفاظت حاصل ہوگی۔

۲۔ ان کی جان، مذہب، زمین اور جائداد کی حالت اور حقوق میں، وہ حاضر ہوں یا غائب، سردار ہوں یا رعیت، کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔

۳۔ جو کچھ کم یا زیادہ ان کے قبضے میں ہے، بدلا نہیں جائیگا۔

فتوح البلدان بلاذری

۴۔ ان پر گذشتہ زمانے کے شبہات یا قتل کے مقدمات نہیں چلائے جائیں گے۔
۵۔ وہ بیگار میں نہیں پکڑے جائیں گے۔
۶۔ ان سے عشر وصول نہیں کیا جائے گا۔
۷۔ فوج ان کے علاقہ سے عبور نہیں کرے گی۔

بس انہی شرائط پر مسلمانوں اور عیسائیوں میں اتحاد ہوگیا۔ اس تحریر سے ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے۔ کہ اسلام کی آواز کس قدر خود غرضی سے پاک تھی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حسن سلوک اور بڑا احترام برتاؤ نے جو آپ نے عیسائیت کے نبیوں، بادشاہوں، عالموں اور عام لوگوں سے روا رکھا۔ سب کے دل پر ایک اثر کیا حبش، روم اور مصر کے عیسائی بادشاہوں نے آپ کے دعووں کی بیحد عزت کی۔ آپ کے خطوط کے جواب میں تحفے بھیجے، حبش کا بادشاہ نجاشی اور گورنر شام تو اسی وقت مسلمان ہوگئے۔ بادشاہ نجاشی نے پیغمبر اسلام کے مکتوب کے جواب میں جو خط لکھا۔ اس کے بعض جملے یہ تھے:۔

"اے اللہ کے نبی! آپ پر اللہ کی سلامتی، رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں، حضرت عیسیٰؑ کے متعلق آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے، خدا کی قسم! اس میں ایک ذرہ بھر بھی فرق نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ کی حیثیت ٹھیک ٹھیک وہی ہے۔ جو آپ نے تحریر فرمائی، اگر آپ ارشاد فرمائیں تو میں حاضر ہوجاؤں گا، کیونکہ مجھے یقین ہے کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں، وہی حق ہے"

پیغمبر اسلام اور یہودی

اسلام نے حضرت عیسیٰؑ اور انجیل کی جیسی عزت کی ہے۔ حضرت موسیٰ اور توریت کی بلکہ ہر ایک قوم کے نبیوں اور کتابوں کی بھی ویسی ہی عزت کی ہے۔ قرآن پاک میں نہایت کثرت سے توریت اور حضرت موسیٰ کا ذکر موجود ہے۔ حضرت محمد صلعم کئی طریقوں میں حضرت موسیٰ کی موافقت فرمایا کرتے تھے۔ آپ جب مکہ سے مدینہ میں واپس تشریف لائے۔ تو آتے ہی یہود

سے دوستی اور اتحاد کا عہد نامہ کیا۔ اور نصرت و اعتماد پیدا کرنے کی کوشش فرمائی۔ پھر اپنی طرف سے عہد نامہ ٹوٹنے کی کوئی امکانی صورت نہیں پیدا ہونے دی، یہاں تک کہ یہود یہی نے کئی خطرناک صورتیں پیدا کر کے مسلمانوں کو مجبور کر دیا۔ کہ وہ اُن کا مقابلہ کریں ۔

گذشتہ بیانات سے اہل کتاب کے متعلق اسلام اور پیغمبر اسلام کی بہی خواہی اور نیک اندیشی ظاہر ہے ، افسوس کہ بعد کے واقعات نے اس روح اتحاد کو قائم رہنے کا موقعہ نہ دیا۔ اور مسلمانوں عیسائیوں اور دوسری قوموں میں زبردست سیاسی کشمکش نے جو صدیوں تک قائم رہی، دونو جانب دشمنی اور بے اعتمادی کی فضا پیدا کر دی، اسی سلسلے میں یورپ کے مذہبی حلقوں نے تعلیم اسلام کے متعلق بے شمار غلط فہمیاں پھیلائیں اور حالات کو اس قدر تاریک کر دیا۔ کہ اہل یورپ برابر ایک ہزار سال تک اسلام کی روشن تعلیم کے نظارے سے محروم رہے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ اب حق شناسوں کے سینے خود بخود تحقیق کے نور سے منور ہو رہے ہیں۔ اور مسٹر سٹیبر گیبن، کارلائل، گوئٹے، ڈریپر، ایچ، جی ویلز، پروفیسر آرنلڈ ایسے مردان کار کی کوشش سے امید کا ڈوبا ہوا ستارہ پھر چمکنے لگا ہے۔ اور وہ وقت قریب ہے۔ جب کہ یہ دشمنی اور عداوت میں ڈوبی ہوئی دنیا پیغمبر اسلام کی عظیم الشان شخصیت اور اسلامی اخوت کے پرعظمت پیغام کو سمجھے گی۔ یہ پہلا دن ہوگا۔ جبکہ امن و اتحاد عالم کی تقدیر چمکے گی۔ اور افق انسانیت پر ایک متحدہ قومیت کا ستارہ طلوع ہوگا۔

اسلام کی بین الاقوامی دعوت کی اشاعت

آپ دیکھ چکے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے عیسائیت کے مذہبی جذبات اور سیاسی حقوق کے متعلق کیسی روشن مثال قائم فرمائی ہے۔ اور اس سلوک کا عیسائیت کے پیشواؤں اور بادشاہوں پر کیا اچھا اثر ہوا تھا؟ اب اس سلسلے کا دوسرا اہم سوال یہ تھا۔ کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم جس عالمگیر اخوت اور متحدہ انسانیت کے پیغام کو دنیا میں لائے۔ آپ نے دوسرے

پہنچانے کے لئے آپ نے کیا وسائل اختیار کئے ؟ کیا آپ نے تلوار اٹھائی۔ یا محبت اور اخلاق کا ہاتھ بڑھایا ؟ اس بارے میں قرآن کی تعلیم بالکل صاف تھی۔ قرآن نے لکھا ہے :-

۱۔ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ۔ دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہے ۔

۲۔ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ۔ اُن سے بحث کرو خوبصورتی سے ۔

۳۔ ہر ایک بستی میں خدا کا نبی آیا ہے ۔ ان نبیوں کی عزت و تعلیم اور درجہ میں کوئی نفرت پیدا نہ کی جائے ۔

یہ تینوں احکام اشاعت اسلام کی تلواریں ہیں۔ جو عرب میں چلیں اور اس کے بعد اسلام کے تاجر اور مشنری سماٹرا، جاوا اور چین جہاں جہاں گئے، وہاں چلیں اور کامیاب ہوئیں۔ پیغمبر اسلام صلعم کی تبلیغ کا حال دنیا پر ظاہر ہے۔ آپ نے تیرہ سال تک مکہ میں تبلیغ کی۔ رشتہ داروں کو دعوت پر بلایا اور وہاں تبلیغ کی۔ حرم کعبہ میں تشریف لے گئے اور وہیں میں کھڑے ہو کر اپنے دلائل پیش فرمائے فرداً فرداً لوگوں سے ملے اور انہیں سمجھایا۔ قبائل کے سامنے گئے اور انہیں وعظ سنائے۔ کفار اور مشرکین نے سختی کی۔ آپ نے اُسے جھیلا۔ یہ سختی بڑھتی گئی۔ آپ کو گالیاں دی گئیں۔ تین سال تک بائیکاٹ کیا۔ مکہ سے نکال دیا۔ ایک گھاٹی میں بند کر دیا۔ اور دانہ اور پانی روک دیا۔ آپ پر پتھر برسائے گئے۔ آخر میں آپ کے قتل کی سازش کی گئی۔ مگر کسی وقت بھی آپ نے مقابلہ اور بدلہ تو کیا۔ خفگی اور بیقراری کا اظہار بھی نہیں کیا۔ آپ کے دوستوں نے کہا کہ آپ دشمنوں کے حق میں بددعا کریں۔ مگر آپ نے دوستوں کی اس سفارش کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور ہدایت کی دعا کی۔ اور اسی طرح برابر بارہ سال تک آپ ہر دردناک ظلم کو برداشت کرتے رہے۔ اس کے بعد جب معاملہ حد سے بڑھ گیا، اور مکہ کی زمین تنگ ہو گئی۔ تو آپ نے دشمنوں سے پھر بھی کچھ نہ کہا۔ بلکہ اپنے پیرووں کو حکم دیا۔ کہ وہ مکہ کو چھوڑ کر مدینہ میں جا کر آباد ہو جائیں۔ پھر جب مسلمان مکہ سے نکلے تو جائداد، سامان، مال، زیورات، اولاد، جس چیز پر کافروں نے مسلمانوں کو ٹوکا۔ انہوں نے بغیر کسی جھگڑے کے وہی چیز ان کے

حوالے کردی اور خود مدینے کی طرف روانہ ہو گئے۔

اس وقت مدینے میں کئی قومیں آباد تھیں۔ پیغمبرؐ اسلام نے یہاں پہنچ کر ان قوموں سے اخوت و مساوات کے اصول پر ایک معاہدہ کیا۔ اس معاہدہ کی شرائط ہی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اس وقت بھی نسل اور مذہب کی منافرت مٹا رہے تھے۔ اور ایک بین الاقوامی اخوت اور متحدہ تہذیب و تمدن کا سامان جمع کر رہے ہیں۔ اس معاہدے کے چند جملے یہ تھے۔

"مسلمان اور یہودی اور ان کے ساتھی ایک قوم سمجھے جائینگے۔ وہ خیرخواہی نیکی اور فائدہ رسانی میں ایک دوسرے کے مددگار رہیں گے۔ مظلوم کی امداد کریں گے۔ مدینہ میں کشت و خون کرنا حرام سمجھیں گے"

ہجرت کے پہلے ہی سال آپ نے اس عہدنامے کا مسودہ تیار فرمایا۔ اور قریش یہود اور دیگر اقوام کے اس پر دستخط کرائے، پھر ودان تک سفر کیا۔ اور قبیلہ بنی حمزہ کو اس میں شامل فرمایا۔ پھر ذی العشیرہ میں تشریف لے گئے اور ینبوع مدلج سے مدینہ تک کے تمام قبائل کو اس رشتہ اتحاد میں پرو دیا۔

سفروں کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ ۲ھ ہجری میں قریش مکہ نے ایک ہزار لشکر کے ساتھ مدینہ پر حملہ کر دیا۔ اور اس جنگ کے بعد اس قدر پے در پے حملے کئے کہ اتحاد کا یہ بے مثال کام رک گیا۔ لیکن جنگ و جدل کی انتہائی مشغولیتوں میں بھی آپ کے دل کی تاریں برابر اتحاد و اخوت کے مرکز سے جڑی ہوئی تھیں۔ اور آپ اظہار اتحاد و اخوت کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ دیتے تھے۔ چنانچہ ۶ھ ہجری میں والی نجد نے مکہ میں اناج کی درآمد روک دی اور اہل مکہ شدت قحط سے تڑپ اٹھے۔ اس وقت اہل مکہ آپکے خلاف جنگ کر رہے تھے۔ جب پیغمبر اسلام کو اہل مکہ کی تکلیف کا حال معلوم ہوا۔ تو آپ نے والیٔ نجد سے سفارش فرمائی اور غلہ کی روک اٹھوا دی۔

۸ھ ہجری میں جبکہ مسلمان قریش مکہ پر غالب آنے لگے تھے۔ آپ نے اپنے دوستوں

کے ساتھ زیارت کعبہ کے لیئے مکہ کا سفر کیا، قریش نے آپ کو روک دیا؛ اس موقعہ پر معزز لوگوں نے تحریک کی کہ مسلمانوں اور قریش میں دس سال کے لیئے صلح ہو جائے، مجوزہ صلح نامے کی ایک شرط یہ تھی :-

"اگر قریش میں سے کوئی شخص مسلمان ہو کر مسلمانوں کے پاس چلا جائے تو قریش کے مطالبہ پر مسلمان اسے واپس کر دیں گے۔ اگر کوئی شخص اسلام چھوڑ کر قریش کے پاس چلا جائے تو قریش واپس نہیں کرینگے"

یہ شرط بظاہر نہایت سخت اور نامنصفانہ تھی، اسلام کی اشاعت و ترقی اور مسلمانوں کی آزادی کے راستے میں بڑی روک تھی۔ اس شرط سے اسلام کی برتری اور مسلمانوں کی حفاظت خطرے میں پڑ گئی تھی، عام مسلمان جنہیں اپنی قوت کا احساس تھا۔ اس شرط کو توہین انگیز خیال کرتے تھے لیکن چونکہ اس معاہدے سے جنگ کا سلسلہ دس سال تک ختم ہوتا تھا؛ اس واسطے پیغمبر اسلام نے قیام اتحاد کو ان تمام تکلیفوں پر ترجیح دی اور بڑی خوشی سے معاہدے پر دستخط کر دیئے اور اتحاد اقوام کا وہ کام جو آپ نے مدینہ پہنچتے ہی شروع کیا تھا۔ اور جنگوں کے باعث رک گیا تھا آپ نے نہایت ہی اطمینان سے پھر شروع فرما دیا۔

یعنی سنہ ہجری میں صلح حدیبیہ ہوئی اور اس کے چند ہی ماہ بعد پیغمبر اسلام نے مختلف مذاہب اور مختلف ممالک کے بادشاہوں کو خاص سفیروں کے ہاتھ قبول اسلام کے مکتوبات بھیجے اور تمام اقوام عالم کو اسلام کے امن و اتحاد میں شامل ہونے دعوت دی؛ عیسائی بادشاہوں کے خطوط میں قرآن کی ایک آیت جو اسلام کے عالمگیر اتحاد کا سنگ بنیاد ہے ضرور درج تھی :-

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا	اے اہل کتاب! آؤ اور ایسی بات پر اتفاق کریں جو ہمارے اور تمہارے دونوں میں مساوی ہو یعنی یہ کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی

چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں؛

بادشاہ نجاشی کو خط بھیجا۔ اس میں خدا کی تعریف کے بعد یہ الفاظ درج تھے :-
عیسےٰ بن مریم اللہ کی مخلوق اور اس کا حکم ہیں۔ جو پاک دامن پاکباز اور بیلوث مریم
کی طرف اس نے بھیجا وہ اس سے حاملہ ہوگئیں۔ عیسیٰ کو خدا نے اپنے روح اور حکم سے
اسی طرح پیدا کیا ہے، جیسے طرح آدم کو اپنے ہاتھ اور حکم سے پیدا کیا ہے"
خسرو پرویز شاہنشاہ ایران کو جو خط بھیجا گیا۔ اس میں یہ الفاظ موجود تھے۔
"میں تجھے قدرت کے پیغام کی دعوت دیتا ہوں، میں تمام اولاد آدم کی طرف اللہ کا رسول ہوں
تاکہ جو کوئی زندہ ہے اُسے خدا سے ڈراؤں اور انکار کرنے والوں پر خدا کا حکم پورا ہو۔ تو
مسلمان ہوجا، تو سلامت رہے گا، ورنہ تمام مجوس قوم کا گناہ تجھ پر ہوگا"
ان دعوت ناموں کا دنیا کے تمام بادشاہوں پر بے حد اثر ہوا۔ بادشاہ مصر نے آپ کے مکتوب کی
نہایت تکریم کی اور تحفے بھیجے۔ حبش، بحرین، عمان، نجد، غسان، دومۃ الجندل اور یمن کے بادشاہ
حضور کی تحریک سے مسلمان ہوگئے۔ قبیلہ حمیر کا بادشاہ خدا کہلاتا تھا، مسلمان ہوگیا اور
اس نے ایک ہی دن میں اٹھارہ ہزار غلاموں کی بیڑیاں کاٹ دیں۔
اب عرب کے چپے چپے پر قبولیت اسلام کے چشمے بہ گئے۔ اور بیسیوں قبائل نے اپنے نمائندے
بھیجے، صدہا وحشی قبیلوں نے جو صدیوں سے مصروف جنگ تھے تلواریں پھینک دیں۔
اور ایک دوسرے سے بغلگیر ہوگئے۔
یہ ہیں وہ پرامن اور عظیم الشان تدبیریں، جو پیغمبر اسلام نے دنیا کی مختلف قوموں کو ایک
بنانے کے لئے اختیار فرمائیں اور جن کی کامیابی کے وصف میں تاریخ نبوت کا ہر ایک ورق
ستاروں کی طرح جگمگا رہا ہے۔

پیغمبر اسلام اور تلوار

اب ہم کو صرف یہ بتانا باقی ہے۔ کہ پیغمبرؐ نے جو لڑائیاں کیں، اُن کا مقصد کیا تھا۔ ہم
بیان کر آئے ہیں۔ کہ آپ مدینہ اور گرد و نواح کے قبائل کو صلح و اتحاد کے رشتے میں پرو رہے تھے

کہ اہل مکہ نے ایک ہزار فوج کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اسلام کی تعلیم یہ نہیں کہ اگر کوئی شخص بائیں گال پر طمانچہ مارے تو دائیں گال آگے کر دو۔ اس لئے کہ یہ صرف مجبوری ہے۔ عملی بات نہیں ہے۔ ورنہ اس طرح دنیا میں اتحاد قائم ہو سکتا ہے۔ پس اہل مکہ کے حملے کے بعد ضروری ہو گیا کہ تلوار اٹھائی جائے۔ لیکن تلوار کو بے نیام کرنے سے پہلے آپ نے اسلام کی پوزیشن صاف کرنے کے لئے ایک زبردست اعلان فرمایا کہ آپ کیوں تلوار نکال رہے ہیں یہ اعلان قرآن (سورہ حج) میں موجود ہے۔ اور اُسے جہاد کا پہلا حکم قرار دیا جاتا ہے۔ اس حکم میں بتایا گیا ہے۔ کہ مسلمانوں نے کن مقاصد کے لئے جماعت صفِ مدینہ کے خلاف تلوار اٹھائی ہم اس حکم کے صحیح عربی اور اردو الفاظ نقل کر دیتے ہیں۔ تاکہ انصاف پسند لوگ سمجھ سکیں کہ اہل مکہ کے حملہ کے وقت پیغمبر اسلام نے کیوں تلوار اٹھائی تھی:۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ (۲) اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ (۳) وَ لَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا	مسلمانوں کو لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ کیونکہ ان پر ظلم ہوا ہے۔ اور بے شک خدا ان کی مدد پر قادر ہے (۲) یہ لوگ ناانصافی کے ساتھ اپنے وطن (مکہ) سے نکالے گئے ہیں۔ محض اس لئے کہ یہ خدا کو اپنا رب کہتے ہیں (۳) اگر خدا اب بھی ایک جماعت کو دوسری جماعت کے ذریعے نہ روکے تو ضرور عیسائیوں کے گرجا، یہودیوں کے عبادت خانے، ترسا کے مندر اور مسلمانوں کی مسجدیں۔ جن میں نہایت کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے، گرا دی جاتیں ؛

یہ اعلان ٹھیک اس وقت کا ہے۔ جبکہ پہلی مرتبہ محمد عربی مجبور ہو کر تلوار نیام سے نکال رہے تھے۔ آپ ان الفاظ کو بار بار پڑھیں۔ یہ یاد رہے کہ یہ پہلے دن کا اعلان ہے۔ جبکہ مسلمان تلوار نکال رہے تھے۔ حملہ آوروں کی تعداد گیارہ سو تھی۔ اور اس کے بالمقابل مسلمانوں کی تعداد صرف

۱۳۔ مختصر بعض لوگ شبہ کرسکتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے کمزوری اور بے سروسامانی کے وقت تو یہ اعلان کیا کہ ہم خدا کے نام، خدا کی عبادت اور تمام قوموں کے عبادتخانوں کی حفاظت کے لئے تلوار اٹھاتے ہیں" کیا اُس وقت بھی جبکہ یہ جنگ کا سارا سلسلہ ختم ہوگیا، آپ نے اپنے اس پہلے دن کے اعلان کو یاد رکھا؟ اوپر والا اعلان سنہ ۲ھ میں ہوا تھا، اس کے بعد برابر چھ برس تک اہل مکہ حملے کرتے رہے اور لڑائی جاری رہی۔

آخر سنہ ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا۔ اور زمانۂ نبوی کی جنگوں کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ اس وقت پیغمبر اسلام نے دوستوں اور دشمنوں سب کو حرم کعبہ میں جمع کیا تاکہ وہ تمام لوگ جو سنہ ۲ھ میں تیغ اسلام کی نقاب کشائی کا خطبہ سُن چکے تھے، اب اس کی فتحمندی کا آخری اعلان بھی سُن لیں۔ حضرت رحمتہ للعالمین منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا:۔

"آج زمانۂ جاہلیت کے تمام غرور، تمام انتقام اور تمام خونبہا میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ اے قریش! خدا نے تمہاری جاہلیت کا غرور۔ اور نسب کی بڑائی پامال کر دی ہے، سُن رکھو کہ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنا ہے"

پھر فرمایا "لوگو! خدا نے تمہیں ایک مرد و عورت سے پیدا کیا ہے، ذاتوں اور قبیلوں میں بڑائی نہیں ہے، یہ تو صرف اس لئے بنائے گئے تاکہ شناخت میں آسانی ہو۔ اصلی معنی میں بڑا وہ ہے جو پرہیزگار ہو"

یہ الفاظ کہنے کے بعد آپ اُن لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ جنہوں نے برابر اکیس سال تک مسلمانوں کو ستایا تھا، گھروں سے نکالا تھا، قتل کیا تھا۔ اور انہیں تباہ کرنے کے لئے حبش، نجد اور شام تک کے سفر کئے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ "لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ، اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ" یعنی آج تم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ جاؤ تم آزاد ہو۔

جہاد کے اولیں حکم کا فتح مکہ کی اس آخری تقریر سے مقابلہ کرو، حقیقت خود بخود

بے نقاب ہو جائے گی، پہلے اعلان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ محمدؐ عربی کی تلوار جو آپؐ نے
جماعت مفسدین کی ظالمانہ سرگرمیوں کو نیچا دکھانے کے لئے اُٹھائی صرف حفظ ذات
کی تلوار نہ تھی۔ بلکہ تمام قوموں، تمام مذہبوں، تمام مندروں، گرجاؤں اور مسجدوں کی
حفاظت کی تلوار تھی اور قوموں کے رشتوں کو توڑنے والی نہیں بلکہ جوڑنے والی تھی۔ اور
اس کا بڑا مقصد یہ تھا کہ عرب سے خانہ جنگی کو ختم کر دیا جائے اور ایک ایسی منتظم اور پُر امن
حکومت قائم کی جائے۔ جس کے سایہ میں تمام اقوام کو عزت و آزادی کی زندگی مل سکے،
اور تمام قومیں ایک خدا اور ایک خدا کی عبادت کے نام پر ایک برادری بن سکیں، فتح مکہ کا
اعلان اس دعویٰ کا ایک ایسا عملی ثبوت ہے۔ جس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔

پیغمبر اسلام نے تمام اقوام عالم کے سامنے فتح مکہ کے دن، اخوت انسانی کا جو نمونہ پیش
کیا۔ دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اللہ کا نبی ۱۳ سال تک سخت
سے سخت تکلیفیں اٹھانے کے بعد مکہ سے نکلتا ہے۔ اور مدینہ میں پہنچتا ہے۔ قریش مکہ
صد ہا میل کی مسافت طے کر دینے پر اس کو اور اس کے دوستوں کو معاف نہیں کرتے!
وہ برابر سات سال تک قریش کی مخالفتوں، سازشوں اور تلواروں کا نشانہ بنا رہتا ہے۔
آخر کار حبیب فاتح ہو کر اس شہر میں دوبارہ داخل ہوتا ہے۔ تو اس کا دل پرانے رنجوں
سے بالکل پاک ہوتا ہے۔ اس کے دماغ سے قدیم عداوتوں کے اثرات یک بیک
مٹ جاتے ہیں، وہ انتقام و ایذا کی بجائے سب کے لئے امن و آسودگی اور عزت و
احسان کے دروازے کھول دیتا ہے۔ اور بآواز بلند اعلان کرتا ہے۔ اَلْیَوْمَ یَوْمُ
الْبِرِّ وَالْوَفَا، آج نیکی، عزت اور احسان کا دن ہے۔ کیا ایسے رحمدل انسان کے
لئے دنیا کے پاس رحمۃ للعالمین کے سوا کوئی اور لقب بھی ہو سکتا ہے؟

فتح مکہ کے دن محمد عربیؐ کی مہربانیوں کی کیفیت بالکل عجیب ہے۔ سراقہ بن جعشم نے
ہجرت کے دن آپ پر پے در پے تلوار کے وار کئے، فتح مکہ کے دن گرفتار ہو کر سامنے آیا

فرمایا، معاف کیا۔ وحشی نے جنگ احد میں آپ کے چچا حضرت حمزہؓ کو قتل کیا۔ فتح مکہ کے
میں وحشی بھی موجود تھا۔ آپؐ نے فرمایا معاف کیا۔ ہبار نے آپ کی بیٹی زینب کی کمر
میں نیزہ مارا، اُن کا حمل ساقط ہو گیا۔ اور خود بھی اس صدمے سے چل بسیں، لوگ ہبار
کو پکڑ کر آپ کے سامنے لائے، فرمایا معاف کیا۔ کیا ان واقعات کے بعد بھی کوئی شخص
تبلیغ اسلام کی سچائی میں شبہ کر سکتا ہے اور کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ
علیہ وسلم اپنے ذاتی بدلے اور دشمنی کے لئے لڑتے تھے؟

زمانہ نبوی کے چھوٹے بڑے جنگوں کا اندازہ ۸۰ ہے۔ ان تمام جنگوں کے قیدیوں
اور مقتولوں کا اندازہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر جنگ میں قیدیوں کی اوسط سات ہے۔
اور مقتولوں کی اوسط تیرہ ہے۔ اس تعداد کا زمانہ جاہلیت اور دورۂ تہذیب کی جنگوں
سے مقابلہ کرو، تم پکار اٹھوگے۔ کہ پیغمبر اسلام کا ایسی معمولی اور حقیر جنگوں اور قریباً نبوت کے
بعد عرب ایسے ملک میں، جہاں وحشت و درندگی اور قبائل کی نااتفاقیوں کے باعث ہر
وقت کشت و خون کا بازار گرم رہتا تھا۔ ایک منظم اور پُر امن حکومت قائم کر دینا ایک
اعجاز ہے۔ اور ایسا اعجاز ہے جس کی مثال ممکن نہیں ہے۔ یہاں یہ بیان کر دینا بھی ضروری
ہے۔ کہ امریکہ میں ہر سال موٹروں کے نیچے جس قدر آدمی کچلے جاتے ہیں۔ ان کی تعداد بیس ہزار
تک پہنچ جاتی ہے۔ جرمن و جاپان کی جنگوں کو بھی سامنے رکھئے اور بتائیے۔ کہ پیغمبر اسلام کا
چند جانوں پر عرب جیسے وحشی اور خونخوار ملک میں جہاں جانوروں کے پانی پلانے پر کئی کئی
سال لڑائیاں ہوتی تھیں، ایک مستقل امن قائم کر دینا کس قدر اعجاز ہے؟

جنگ بدر کے ۷۲ قیدیوں میں سے ۷۰ کو فدیہ لے کر آزاد کیا گیا، غزوہ بنو المصطلق
کے ایک سو قیدی بلا معاوضہ آزاد کئے گئے، کوہ تنعیم کے ۸۰ حملہ آور قید ہو کر بارگاہ نبوت میں
لائے گئے۔ آپ نے بلا شرط اور بلا جرمانہ سب کو معاف فرما دیا، جنگ حنین میں کئی ہزار قیدیوں
کو بلا کسی شرط و جرمانہ کے آزادی ہی نہیں دی بلکہ اکثر اسیروں کو آپ نے خلعت و انعام دیکر

رخصت فرمایا، درانحالیکہ عرب کا دستور یہ تھا کہ تمام قیدی تلوار یا آگ سے ہلاک کردیئے جائیں، بدر کے بہت سے اسیروں کے بیانات موجود ہیں۔ کہ اہل مدینہ اپنے بچوں سے بڑھ کر ان کی آسائش کا اہتمام کرتے تھے، ابو عزیز کا بیان ہے۔ کہ میں مصعب بن عمیر کے ہاں قید تھا، آپ دونوں وقت کھانا لاتے اور جب روٹی میرے سامنے رکھتے اور خود کھجوریں کھاتے تو فرط شرم سے میری گردن جھک جاتی۔ میں اُن کے ہاتھ میں روٹی دیتا مگر وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے اور واپس کردیتے۔

یہ مشفقانہ برتاؤ اور رحیمانہ سلوک جو رحمۃ للعالمین نے جنگ کے قیدیوں سے کیا۔ اسلام کے دشمنوں، مسلمانوں کے قاتلوں، حملہ کرنے اور تلوار اٹھانے والوں سے کیا، کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اپنے دشمنوں کو بھی دشمن اور غیر نہیں سمجھتا تھا۔ لوگ اس کے دشمن ہوں گے۔ لیکن وہ کسی کا دشمن نہ تھا، ہاں جس کی دشمنی اور جنگ میں یہ ہمدردی اور اخلاص موجود ہو۔ اس کی دوستی اور دوستی کی شیرینیاں، اس کی صلح اور صلح کی لذتیں کس کے تصور میں آسکتی ہیں؟

ذمیوں کے حقوق

اب ہم کو صرف یہ بتانا باقی ہے۔ کہ اسلام نے اُن غیر مسلموں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ جو اس کے دائرہ اتحاد میں شامل ہوجاتے تھے، قیام مدینہ کے پہلے سالوں میں اسلام کو حکومت کی حیثیت حاصل نہ تھی، لیکن فتح مکہ کے بعد بحرین، عمان، عدن اور یمن وغیرہ فتح ہوئے۔ جہاں مسلمانوں کو پہلی دفعہ یہود، پارسی، عیسائی اقوام کے ساتھ بحیثیت رعایا، تعلقات قائم کرنے کا موقعہ ملا، جن قوموں نے اسلام کی ماتحتی قبول کی حضور سرور عالم صلعم نے ان کے ہر بالغ، اور بصورت استطاعت ہر مرد پر ایک دینار سالانہ جزیہ مقرر فرمایا۔ اور اس کے ساتھ ہی اگر ان حقوق کی تفصیل معلوم کی جائے جو حضور صلعم نے اپنے معاہدوں میں وقتاً فوقتاً ذمیوں کو عطا فرمائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ ان میں حسب ذیل

امور شامل تھے :-

۱۔ ان کو فوجی خدمت دینا معاف ہوگا۔

۲۔ دشمنوں کے مقابلہ میں مسلمان ان کی طرف سے مدافعت کرنے کے ذمہ دار ہوں گے۔

۳۔ ان کو زبردستی اپنے مذہب سے برگشتہ نہیں کیا جائے گا۔

۴۔ جزیہ لینے کے لئے محصل خود ان کے پاس جائے گا۔

۵۔ ان کی جان اور مال کی حفاظت مسلمانوں پر فرض ہوگی۔

۶۔ ان کے کاروان اور قافلے محفوظ رہیں گے۔

۷۔ ان کی زمین اور دوسری ملکیتیں ان کے قبضے میں رہیں گی۔

۸۔ ان کے پادری عہدوں سے برطرف نہ کئے جائیں گے۔

۹۔ صلیبوں اور بتوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔

۱۰۔ ان سے عشر (دسواں حصہ) وصول نہیں کیا جائے گا۔ جو مسلمان ادا کرتے ہیں۔

۱۱۔ فوج ان کے ملک کو عبور نہ کرے گی۔

۱۲۔ ان کو اپنے عقائد سے زبردستی منحرف کرنے کی کوشش نہ کی جائے گی۔

۱۳۔ ان کے حقوق زائل نہ ہوں گے۔

تاریخ گواہ ہے کہ ان امور کی تعمیل و تکمیل میں اسلامی حکومتوں نے ہمیشہ اہتمام کیا ہے۔ ذمیوں کے ساتھ حضرت عمرؓ کی رواداری عدیم المثال ہے، حضرت علیؓ کا قول ہے کہ "جو لوگ ذمی ہیں، ان کا خون ہمارا خون ہے۔ اور ان کا خونبہا ہمارا خونبہا ہے۔"

عباسی بادشاہوں نے ذمیوں کی حفاظت کے لئے ایک خاص محکمہ قائم کیا تھا۔ اسی طرح ہسپانیہ میں بھی ایک محکمہ ان امور کی نگہداشت کے لئے مقرر کیا تھا۔ یہودیوں کو اسلام کے زیر سایہ جس قدر امن و فراغت کی زندگی نصیب ہوئی تاریخ اس کی مثال

پیش نہیں کر سکتی :-

خطاب باقوام عالم

اے بندگان خدا! آپ نے اخوت اسلامی کے اصول اور عمل دونوں چیزیں دیکھ لیں اے فرزندان آدم! اے باشندگان زمین! تم زمین کے کسی گوشے میں رہو۔ کوئی زبان بولو، کوئی مذہب اور کوئی قومیت اختیار کرو، تم مسلمان ہو یا غیر مسلم، حاکم ہو یا محکوم، دوست ہو یا دشمن، آزاد ہو یا اسیر، معاہد ہو یا ذمی، تم نے دیکھا کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دامن اخوت میں تم سب کے لئے مساوات کا مقام ہے، دنیا تمام کے نبیوں اور کتابوں کے لئے احترام ہے، تمام مذاہب کی عبادت گاہوں کے لئے حفاظت ہے، فقیروں اور اسیروں کے لئے ہمدردی ہے، دشمنوں کے لئے محبت ہے۔ ذمی اور غلام کے لئے برابری کی عزت اور آزادی ہے، اے اقوام عالم! محمد عربی (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا پیغام سمجھو، یہی وہ بزم محبت ہے۔ جہاں مشرق اور مغرب کی روحیں آپس میں بغلگیر ہونگی

رسول وحدت

ہندوستان کے سب سے بڑے اخبار "ٹائمز آف انڈیا" کے نیوز سب ایڈیٹر مسٹر وئیر مسلمان ہوئے ہیں، آپ نے اپنے قبول اسلام کا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے۔ کہ چند دنوں میں مصر کے اخبار (ایجپشین گزٹ) کا ایڈیٹر تھا۔ چھٹی کے دن صحرائے سقارہ میں چلا جاتا تھا۔ اور آثار قدیمہ کی تحقیقات میں مسٹر فرتھ کی امداد کیا کرتا تھا۔ ایک دن اس تحقیقات میں ہمیں ایک نہایت ہی عبرت ناک کتبہ ملا۔ اس کتبے کے الفاظ لکھنے والے نے اپنے خون سے لکھے تھے۔ کتبہ کے الفاظ یہ تھے :-

یہ فرعون کی ایک فلسطین کی مہم سے صرف راقم حروف ہی زندہ واپس آیا ہے "
لکھنے والے کا پنجر پاس ہی ریت میں دبا پڑا تھا۔ مسٹر ڈیر کہتے ہیں کہ زندگی کے اس حیرت انگیز منظر نے میرے دل پر بے حد اثر کیا۔ میں شام کے وقت اپنے چھوٹے سے خیمے میں واپس آیا۔ جو صحرا کے کنارے کھڑا تھا۔ اور دنیا کے طلسم اور زندگی کے اسرار پر غور کرنے لگا۔ میں کبھی کتبے کو دیکھتا۔ کبھی لکھنے والے کے شکستہ حال پنجر پر غور کرتا۔ اور کبھی فرعون کی حالت کو سوچتا۔ جس نے وقت کی غفلت و بے ہوشی اور عیش و غرور سے بد مست ہو کر خدائی کا دعویٰ کیا۔ اور کبھی عاجزی اور فکر مندی کے ساتھ زندگی کو سمجھنے کی کوشش کرتا۔ مسٹر حمید ڈیر لکھتے ہیں کہ اس وقت رات کی تاریکی اور تنہائی۔ ریت کا بے زبان سمندر، اور صحرا کی خاموشیاں اور لامحدود وسعتیں میرے سامنے تھیں۔ اسی حال میں یکایک میرے دل میں خدا کی عظمت اور بڑائی کا احساس پیدا ہوا۔ اور مجھے یقین ہو گیا کہ خدا ایک ایسی انتہا اور لامحدود قوت ہے۔ کہ اس کی بے اندازہ وسعت و قدرت اور شان یکتائی پر انسان فانی کا حقیر اور بے حیثیت دماغ کسی طرح بھی قابو نہیں پا سکتا۔

مسٹر ڈیر لکھتے ہیں کہ خدائے بزرگ کی عظمت اور بڑائی کا یہ عظیم الشان تصور جو صحرائے سقارہ میں میرے دماغ میں پیدا ہوا، پھر کسی وقت بھی دماغ سے جدا نہیں ہو سکا۔ اور اسی وقت سے میں نے تلاش شروع کر دی۔ کہ دنیا میں کوئی ایسا مذہب بھی ہے۔ جس نے خدا تعالیٰ کے متعلق اسی اعلیٰ ترین تخیل اور وسیع ترین وحدانیت کو انسان کے سامنے پیش کیا ہو۔ یہ مقابلہ مذاہب کے بعد مجھے معلوم ہو گیا کہ قرآن اسی اعلیٰ ترین تخیل اور وسیع ترین وحدانیت کا علمبردار ہے۔ لہٰذا میں لا الٰہ الا اللہ پر ایمان لاتا ہوں اور محمد رسول اللہ اس لئے کہتا ہوں کہ ان کے ذریعے سے یہ اعلیٰ ترین نعمت انسان کو حاصل ہوئی ہے۔

زندگی کا حقیقی سوال

یہ ظاہر ہے کہ مسٹر حمید ڈیر کے پاس بہت کافی مال و دولت موجود تھا۔ اسے ابل و عیال

کی نعمت بھی حاصل تھی۔ وہ عالم تھا، حکمران قوم کا فرد تھا، سوال پیدا ہوگا کہ اس کے باوجود اس نے تبدیلی مذہب کی ضرورت کیوں محسوس کی؟ واقعہ یہ ہے کہ اگر انسان سچ مچ انسان ہو۔ اور اگر غفلت و نادانی اور عیش و غرور کی بے فکریوں نے اُس کے دل کی آواز اور تڑپ کو تباہ و برباد نہیں کر دیا ہو۔ تو اُس کی زندگی میں ہر وقت ایک ایسی لگن موجود رہتی ہے جس سے وہ کبھی بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ اور اس کے دل کی گہرائی سے ہر وقت ایک ایسا سوال اٹھتا رہتا ہے۔ جسے نہ تو وہ دبا سکتا ہے اور نہ بھلا سکتا ہے! زندگی کا یہ حقیقی سوال جس سے کوئی معقول اور دور اندیش انسان بچ نہیں سکتا۔ یہ ہے کہ انسان کی موجودہ اور آیندہ دونوں زندگیاں کن اصولوں کی پیروی سے محبت و راحت کے منزل کمال تک پہنچ سکتی ہیں"۔

ہر زمانہ میں الگ جواب

اس سوال کا جواب ہر زمانے میں یکساں نہیں تھا۔ واقعہ یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نسل انسانی کی عمر حالت اور استعداد کے مطابق ہی اس کی ہدایت کا انتظام کرتا ہے۔ مجمع انسانی کا جیسا درجہ اور حیثیت ہوتی ہے۔ ویسی ہی تعلیم اُسے دی جاتی ہے۔ بیسویں صدی کا انسان اور مسٹر حمید ڈیر جیسا بیدار مغز انسان اس بیداری کے زمانے میں خدا کے متعلق جو اعلیٰ ترین تخیل پیدا کرتا ہے۔ وہ دنیا کی قدیم کتابوں میں اگرچہ وہ آسمانی ہی کیوں نہ ہوں، نہیں مل سکتا۔ کیونکہ ان کتابوں کے اصول اور تخیل اس قدر ترقی یافتہ دماغوں کے لئے نہیں تھے"۔

روس کی خدا سے بغاوت اور اس کا اصل سبب

آپ نے روسی لیڈروں کا فیصلہ پڑھا ہوگا۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ خدا کا تخیل محض بیکار رہنے بلا ضرورت ہے۔ خدا کا قائل ہونے میں انسان کو کچھ فائدہ نہیں ہے۔ بلکہ خدا کا خیال کرنا ہی انسان کی ترقی و آزادی کے راستہ میں سب سے بڑی روک ہے۔ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ خدا کا وہ اعلیٰ ترین تخیل جسے موجودہ زمانے کے انسان بھی ضروری خیال کریں روسی

لیڈروں تک نہیں پہنچا۔ وہ سب کے سب عیسائی ہیں۔ اور خدا کا وہی ناقص تخیل جو موجودہ انجیل اور عیسائیت میں موجود ہے، اُن تک پہنچا ہے۔ لہٰذا ان کے لئے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ کہ وہ انسانی دماغ کو جلد از جلد اس ناقص تخیل کی غلامی سے چھڑا کر آزادی اور ترقی کے راستے پر ڈال دیں۔

ہندوستان میں خود یہ حالت پیش آرہی ہے۔ ہندو نوجوان مذہب کی مخالفت پر تل گئے ہیں۔ ان کے لئے اس روشنی کے زمانے میں یہ ناممکن ہو رہا ہے۔ کہ وہ تعلیم یافتہ ہو کر سانپ۔ پیپل، گائے، چاند، سورج، دریا کی قسم کے بے شمار دیوی، دیوتاؤں۔ اور مختلف قسم کے پتھروں کے لئے مندروں میں جائیں اور منتر پڑھیں

قبل اسلام خدا کے متعلق کیا عقائد تھے

دنیا کی مختلف قوموں میں خدا کے متعلق عجیب وغریب خیالات پائے جاتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں انسان ہر کام کا ایک ایک دیوتا مانتا تھا۔ اور اُن سب کو پوجتا تھا۔ بیماری کا الگ خدا تھا۔ بلکہ ہر ایک بیماری کا ایک الگ دیوتا تھا۔ جنگ کا الگ، صلح کا الگ قحط کا الگ، پیداوار کا الگ اور دولت کا الگ۔ دیوتاؤں کی اس علیحدگی اور افتراق کے باعث بے شمار مذہبی رسمیں، الگ الگ مندر اور مورتیاں، اور مذہبی پیشواؤں کے علیحدہ علیحدہ جتھے قائم ہوگئے تھے۔ اور یہ لوگ ہر وقت اپنے اپنے عقیدہ اور مذہب اور اپنے دیوتاؤں کی بڑائی کے لئے دوسروں سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔

بیشمار انسان خدا کے متعلق یہ سمجھتے تھے۔ کہ وہ انہیں کا ہے دوسروں کا نہیں۔ اس حیثیت سے انہوں نے انسان کے اندر پستی اور بلندی، اور شرافت اور رذالت کے درجے اور رتبے قائم کر رکھے تھے۔ سفید رنگ آریہ، خدا کو صرف اپنے ہی لئے خاص تصور کرتے تھے اور پھر یہ بھی ایرانی اور آریہ ورت کے رہنے والوں میں منقسم ہو کر اس طرح دو فرقے ہوگئے تھے۔ کہ ان میں سے ہر ایک کو بجائے خود یہی دعویٰ تھا۔ کہ خدا تعالیٰ کی بندگی کے صرف

وہی اہل ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ اگر ایک آریہ کے یہاں لفظ دیوتا خدائی کے معنی دیتا تھا تو ایران میں اس لفظ کے معنی جن و شیطان کے تھے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہ ہندوستان کے دو حصوں شمالی اور جنوبی میں بھی اس بارے میں اتحاد نہ تھا۔ ایک شیو کو پوجتے تھے اور دوسرے وشنو کو، ایران میں آفتاب کو خدائی کا رتبہ دیا جاتا تھا۔ مگر ہندوستان میں وہ سورج سے زیادہ نہ تھا۔ ہندو آریوں میں برہمنوں نے وہ خدا مانا تھا۔ جو صرف انہی کا خدا تھا۔ جس نے ان کو اپنے منہ سے پیدا کیا تھا اور دوسری ہندو قوموں کو اپنے بازوؤں اور ٹانگوں سے۔ سامیوں کا خدا صرف انہیں کا خدا تھا۔ بلکہ بنی اسرائیل کے نزدیک وہ خاص اُن کے خاندان کا خدا تھا۔ وہ اسے ابراہیم کا، اسحاق کا، یعقوب کا اور موسیٰ اور داؤد کا خدا سمجھتے تھے۔ عیسائیوں کا خدا عیسائیوں کا باپ تھا۔ مگر اس باپ کے کنبے میں دوسرے شریک نہ تھے۔

خدا کا محدود تخیل کیوں تھا؟

یہ سب باتیں تاریخ اور مذہب کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اور کوئی شخص ان سے انکار نہیں کر سکتا۔ کہ خدا کا یہ تخیل اس زمانے کی بات ہے۔ جب کہ کسی شخص کو یہ خیال تک نہ آ سکتا تھا کہ یہ تمام کائنات بہ حیثیت مجموعی ایک شے ہے۔ اور یہاں کی ہر چیز علت و معلول کے سلسلے میں اس طرح جکڑی ہوئی ہے کہ جب تک آفتاب، بادل، سمندر، ہوا، زمین، چاند، موسم، گرمی اور بجلی اور بیشمار جراثیم مل کر کام نہ کریں، گھاس کا ایک پتہ بھی اُگ نہیں سکتا اس لئے وہ لوگ یہ کہتے تھے۔ کہ بارش۔ آندھی، پیداوار، بیماری، قحط، جنگ ہر ایک چیز کے لئے ایک الگ دیوتا مقرر ہے۔ اور وہ اُسے خوش رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس وقت ریل، تار، ہوائی جہاز موجود نہ تھے۔ انسانی جماعتیں الگ تھلگ رہتی تھیں۔ ہندوستان کے حالات کا امریکہ اور افریقہ میں بسنے والوں پر کوئی اثر نہ تھا۔ اور اس وقت کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی یہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ تمام دنیا کے انسان مجموعی حیثیت سے ایک ملت اور ایک جماعت ہیں۔

اس زمانے کے محدود علمی ماحول کے مطابق انسان کا ہر نظریہ محدود تھا۔ اور اسی محدود نظریہ سے
وہ خدا کو اپنا وطنی خاندانی اور ذاتی خدا سمجھتے تھے۔ لیکن موجودہ زمانے میں جبکہ یہ ساری کائنات ایک
انسانی جسم کی طرح علت و معلول کے سلسلوں میں جکڑی ہوئی نظر آتی ہے اور زندگی کے مسائل میں انتہا
وسعت پیدا ہو چکی ہے، کوئی روشن خیال آدمی خدا کے متعلق ایسا پست تخیل قبول نہیں کر سکتا جس سے
انسانوں میں تفریق پیدا ہو اور بعض لوگ تو خدا کے خاص بیٹے بن جائیں، اور دوسرے ذلت کی نگاہ
سے دیکھے جائیں۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ تمام نہاد دیوتاؤں کی خوشنودی کے لئے طرح طرح کی رسمیں
ادا کرنی پڑیں اور بالکل بے مصرف کفتاؤں میں دولت اور وقت ضائع ہو۔

اسلام میں خدا کا تخیل

ہم بیان کر چکے ہیں کہ مذہبی معلم اور پیشوا ہمیشہ انسانوں کی استعداد کے مطابق تعلیم دیتے رہے ہیں
پیغمبر اسلام ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے جبکہ نسل انسانی پختگی، جوانی اور کمال کے درجہ کو پہنچنے والی
تھی۔ پس آپ نے خدا کے متعلق وہ اعلیٰ ترین تخیل پیش کیا جو ہر لحاظ سے مکمل تھا۔ آپ نے فرمایا کہ خدا اپنی ذات
کے لحاظ سے بھی واحد ہے۔ اور اپنی صفات کاملہ کے لحاظ سے بھی واحد ہے اور اپنی عبادتوں کے لحاظ سے
بھی غیر شریک ہے، نہ کسی پیغمبر کو قدرت ہے کہ وہ اس کی خدائی میں ذرہ برابر شریک ہو سکے اور نہ کسی نمرود،
فرعون، کسریٰ، قیصر اور مہاراج کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کے قانون شاہنشاہی میں شرکت کا دعویٰ کر سکے،
آپ نے فرمایا کہ اس تمام کائنات میں الگ الگ دیوتاؤں کی کارفرمائی نہیں ہے بلکہ صرف اسی کی حکومت
ہے۔ زمین کا خدا بھی وہی ہے، اور آسمان کا خدا بھی وہی ہے، وہ انسان ہی کا خدا نہیں بلکہ چرند پرند
مور و مگس اور آفتاب و ماہتاب سب اس کی مخلوق، سب اس کے بندے، اور اس کے محکوم ہیں +
پیغمبر اسلام نے نوع انسان کے سامنے شخصی خاندانی اور وطنی خدا کی بجائے رب العالمین کا تخیل پیش کیا اور فرمایا :۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ ساری خوبیاں اس ایک خدا کی ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

توحید اسلامی کے عملی اثرات

آپ نے فرمایا، ایک رب العالمین کے بندے ہونے کی حیثیت سے تمام انسان بھائی بھائی ہیں اور ان

کی فطرت اور پیدائش ایک ہے، شخصوں اور ملکوں کے نام محض شناخت کے لئے ہیں۔ خدا کی زمین تمام انسانوں کی مشترکہ جائداد ہے۔ تمام انسانوں کے پیدائشی حقوق برابر ہیں، اور اگر کچھ فرق ہے تو وہ انسان کے اپنے عملوں کی بنا پر ہے۔ تمام انسان ایک الٰہی نظام کے تابع ہیں، سب کی زندگی اور موت ترقی اور تنزل اور سعادت و شقاوت کا قانون ایک ہے۔ اور خدا نے کسی قوم کو دوسری کا محکوم پیدا نہیں کیا ہے پس اس کائنات میں ایک انسانی زندگی کا موٹو صرف یہ ہونا چاہیئے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ ۔ میں صرف خدا کی پناہ چاہتا ہوں، جو سارے انسانوں کا بادشاہ

اِلٰهِ النَّاسِ (قرآن) ۔ اور سارے انسانوں کا معبود ہے۔

پیغمبر اسلام نے توحید الٰہی کے اس اعلیٰ ترین تخیل کا نتیجہ بھی بنی نوع انسان کے سامنے پیش کر دیا جو قرآن کریم کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۔ تم سب انسانوں کی امت ایک امت ہے۔ خدا سب کا پروردگار

وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۔ ہے۔ پس تمام انسان صرف خدا سے ڈریں۔

جب تمام انسان اس حقیقت کو پالیں کہ وہ سب کے سب فطرت، حقوق، انتفاع اور خدا کی رحمت اور بندگی میں برابر ہیں۔ تو لازماً ان پر اخوت، محبت، اتحاد، مساوات، آزادی اور ترقی کی راہیں یکساں طور پر کھل جائیں گی، آپ دنیا کے سب سے پہلے انسان ہیں جنہوں نے انسانوں کو کسی ملک، قوم، وطن، رنگ کے نام پر دعوت نہیں دی۔ آپ کی دعوت سارے انسانوں کے لئے ہے اور صرف اس حیثیت سے ہے، کہ وہ سب کے سب ایک خدا کے بندے ہیں، اسی لئے آپ اس کے سوا کچھ نہیں فرماتے۔ کہ اے ایک خدا کے بندو! آؤ ہم سب کے سب خدا پرستی پر جمع ہو جائیں۔ ہر ایک قوم کے مقامی اور فروعی امتیازات اسے مبارک! لیکن ایک خالق کل کے غیر مشروط غلام ہونے کی حیثیت سے ہم سب اپنے آپ کو ایک سمجھیں اور قانون خدا کی پیروی کریں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عالمگیر دعوت، اتحاد کے جو آپ نے تمام انسانوں کے سامنے پیش کی صحیح صحیح الفاظ حسب ذیل ہیں۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ ۔ اے اہل کتاب! آؤ ایسی بات پر اتفاق کریں جو ہمارے اور تمہارے (درمیان)

سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا۔ میں مساوی ہے، یعنی یہ کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔

یہ ہے اسلامی توحید کی حقیقت اور اسکے نتائج۔ یہ ہے مسئلہ اخوت نسل انسانی کا حقیقی حل۔ کبھی یہ خیال نہ کرو کہ اس عقیدہ توحید کے بغیر بھی یہ اولاد آدمؑ عدل و مساوات، اخوت اور امن و آزادی کے حقیقی راہوں پر گامزن ہو سکتی ہے۔

وحدت نبوت

پیغمبر اسلام سے پہلے نبوت کی کوئی واضح تعریف انسان کو معلوم نہ تھی۔ عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ یہود کے ہاں نبوت کے معنی صرف پیشگوئی کے تھے، اور پیشگو کو نبی کہتے تھے جسکے متعلق انکو یقین تھا۔ کہ اسکی دعا اور بددعا فوراً قبول ہو جاتی ہے۔ اسی بےخبری کا یہ نتیجہ تھا، کہ یہود کے ہاں حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کی نبوت کا ایک دھندلا سا خاکہ موجود تھا۔ بلکہ پیغمبروں کے مقابلہ میں بعض کاہنوں کی پیغمبرانہ شان زیادہ نمایاں معلوم ہوتی تھی حضرت داؤد اور سلیمانؑ کو وہ صرف بادشاہ سمجھتے تھے۔ یہی حال عیسائیوں کا تھا، وہ حضرت لوط پر بدکاری کا الزام لگاتے تھے، حضرت سلیمان کو تعویذ اور گنڈا کا موجد سمجھتے تھے۔ حضرت عیسےٰؑ کے علاوہ تمام پیغمبروں کو گنہگار خیال کرتے تھے اور اس کے ساتھ جیسا کہ انجیل کے مختلف حوالوں سے ثابت ہوتا ہے، وہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کی نسبت بھی بعض ایسی باتیں کہہ جاتے تھے جو انکی شان عظمت کے سراسر منافی تھیں یہود حضرت مریم پر تہمت رکھتے تھے۔ اور انجیل کے حرز سے ظاہر ہوتا ہے، کہ حضرت عیسیٰ احکام عشرہ کے خلاف اپنی ماں کی عزت اور نماز روزہ کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

نبوت کا محدود تخیل

ایک دوسرا نقص یہ تھا۔ کہ تمام قوموں نے نبوت کو ایک محدود اور مخصوص چیز قرار دے رکھا تھا۔ آج تک کے ہندو کہتے تھے، کہ خدا کی بولی صرف برہمن کے رشیوں اور منیوں نے سنی ہے، اور وہ صرف وید

کے اوراق میں محفوظ ہے۔ زردشت؛ ایرانیوں کے علاوہ سب کو یزداں کے جلوۂ نورانی سے محروم خیال کرتا تھا۔ بنی اسرائیل اپنے سوا کسی اور نبی یا رسول کی بعثت کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

نبوت کے غیر واضح مفہوم اور محدود تخیل کا نتیجہ

ان دونوں چیزوں کا نتیجہ بالکل ظاہر ہے۔ تمام قومیں دوسری اقوام کے نبیوں کے احترام سے محروم تھیں، نااہلوں کو نبوت کا درجہ دیتی تھیں اور نبیوں پر الزام لگاتی تھیں اور اس طرز عمل سے قومی جنگ ونفاق، نفرت وتعصب، غرور وخودستائی کے سوا انسان کو کچھ حاصل نہ تھا۔

نبوت کا صحیح تخیل اور تعریف

ان مصائب کو ختم کرنے کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب، عجم، شام، ہند اور پورب پچھم واتر دکن کی تخصیص دور کرتے ہوئے بتایا کہ ہر قوم اور ہر ملک میں خدا کا نور دیکھا گیا، اور اس کی آواز سنی گئی۔ آپ نے اعلان فرمایا کہ بلا تفریق وامتیاز تمام قوموں کے پیغمبروں اور رسولوں کو یکساں طور پر خدا کا رسول صادق اور بلا امتیاز تسلیم کرنا چاہیئے اور اس اعلان کے ساتھ ہی تمام پہلے اور پچھلے جھگڑے ختم کر دیے۔ اس بارے میں قرآن کے اصل لفظ یہ ہیں:

(۱) اِنْ مِنْ قَرْیَۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ (۲) وَ لِکُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْل۔ (۳) کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ۔ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ۔

پیغمبر اسلام نے نبوت کی ایک جامع تعریف دنیا کے سامنے پیش کی اور لوگوں کو بتایا کہ انبیا کی پیدائش کی طرح، نبیوں کی بعثت بھی ایک الٰہی انتظام کے تابع ہے۔ تمام نبی خدا کی طرف سے ہدایت خلق کے لئے بھیجے جاتے ہیں، تاکہ لوگوں کو ان کی استعداد کے مطابق خدا کے احکام بتائیں۔ وہ سب کے سب گناہوں سے پاک اور وصف عصمت میں ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں۔ وہ ایک ہی سلسلہ ہدایت کے معلم ہوتے ہیں۔ ان کا مشن ایک ہوتا ہے۔ اور دنیا کی کوئی قوم اور کوئی ملک ان کے وجود سے خالی نہیں ہے۔ ان سب کا ماننا ضروری ہے۔

اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دنیا کے تمام ملکوں اور تمام قوموں کے نبیوں اور پیغمبروں کی عزت عصمت اور صداقت کا یہ غیر مشروط اعلان دنیا کی مختلف قوموں کو ایک دوسری سے قریب کرنے

اور ان میں اتحاد و رواداری کی روح پھونکنے کے لئے کس قدر اہم اور ضروری قدم تھا۔

وحدت مذاہب

پیغمبر اسلام سے پہلے کوئی قوم "وحدت مذاہب" کے تخیل سے واقف نہ تھی۔ ہر ایک قوم اپنی ہی کتاب کو خدا کا کلام سمجھتی تھی اور دوسری قوموں کی کتب مقدسہ کو جھٹلاتی تھی اور اس طرح مذہب اور مذہبی کتابوں کے نام پر نوع انسان میں بیشمار جھگڑے اور فساد پیدا ہو رہے تھے۔ پیغمبر اسلام نے ان قومی، وطنی اور مذہبی تعصبات کو ختم کرنے کے لئے اس حقیقت کا اعلان فرمایا کہ تمام مذاہب حقہ اور ان کی مقدس کتابیں ایک تھیں۔ آپ کا استدلال یہ تھا کہ وہ خدا جو ان تمام تعلیمات کا سرچشمہ ہے ایک ہے۔ اور وہ تمام نبی اور رسول جو ان کتابوں کا پرچار کرنے والے تھے سب ایک خدائی مشن کے مبلغ اور پرچارک ہیں۔ اس اعلان کے بعد آپ نے یہ چیز بھی اسلام کے بنیادی اصولوں میں داخل کر دی کہ کوئی شخص جو تمام پہلے نبیوں کو صادق اور پاکباز سمجھنے کے ساتھ ساتھ ان کی کتابوں کو خدا کا صحیح اور سچا کلام تسلیم نہ کرے مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اس بنا پر مسلمان یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام اسی ایک مذہب کا نام ہے جو حضرت آدمؑ سے حضرت محمدؐ تک باری باری تمام دنیا کے نبیوں اور پیغمبروں کے ذریعہ سے آتا رہا۔ اور انسانوں کو اس کی تعلیم دی جاتی رہی۔ جب ایک قوم اپنی کتاب اور اس کے حکم کو بدل دیتی تو دوسرا نبی بھیجا جاتا۔

سوال پیدا ہوگا کہ اس قدر واضح اعلان کے بعد بھی دوسرے مذاہب کے پیرووں نے اسلام سے اختلاف کیوں کیا؟ قرآن کہتا ہے کہ یہ مذہبی پیشواؤں کی ضد اور خودغرضی اور اصل مذہب کے بھول جانے کا نتیجہ ہے۔

دین اور شرع

موجودہ مذاہب کے اختلافات کو سلجھانے کے لئے قرآن نے ہمارے سامنے دو الفاظ پیش کئے ہیں۔ ایک دین اور دوسرے شرعۃ۔ دین سے مذہب کے بنیادی اصول مراد ہیں مثلاً خدا کی ہستی، توحید، عبادت، نبیوں کا آنا، نیک اخلاق، اعمال کا بدلہ وغیرہ جو تمام پیغمبروں اور مقدس کتابوں کی تہ میں موجود رہے ہیں اور کسی قوم کی مقدس کتاب ان سے خالی نہیں تھی۔ ہاں،

تخیل کے نقص و کمال اور پیرایۂ تعلیم میں فرق ہو سکتا ہے۔ یعنی یہ تو ہو سکتا ہے۔ کہ ہر ایک پیغمبر اپنے لوگوں کی ذہنی استعداد کے مطابق، وحدت، نبوت، عبادت، آخرت، اخلاق اور حکومت وغیرہ کا تخیل اپنی قوم کے سامنے پیش کرے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی پیغمبر ان اصولوں کی اصل اور حقیقت سے انکار کرے یا انہیں جھٹلائے۔

دوسرا لفظ شرع ہے۔ شرع سے مراد وہ جزوی اور فروعی احکام ہیں۔ جن کی شکل و صورت ہر ایک قوم اور ملک میں وقت اور حالات کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔ مثلاً تمام مذاہب اس اصول میں تو متفق ہیں کہ ایک خدا کی عبادت کی جائے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ عبادت کے احکام اور رسمیں بھی ہر ایک مذہب میں ایک جیسی ہوں۔ ہر مذہب کی عیدیں، قربانیاں، غذا اور لباس کے قواعد پیدائش بیاہ اور اموات کی رسمیں، جرموں کی سزائیں وغیرہ دوسرے مذاہب سے الگ ہیں اور یہ تمام جزوی اور فروعی احکام شرع میں داخل ہیں۔

اب مذاہب کے اختلافات کا قرآنی نقطہ نظر سے یہ مطلب ہے کہ ہر ایک مذہب میں دین یعنی بنیادی اصول یکساں ہیں، اور شرع یعنی اس متحدہ مقصد تک پہنچنے کے راستے اور طریقے جدا جدا ہیں۔

اتحاد انسانیت کا سنگ بنیاد

وحدت مذاہب کی یہ وہ تعبیر ہے جو سب سے پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش کی اسے اپنے مذہب کا سنگ بنیاد قرار دیکر حکم دیا ہے کہ مسلمان اس نکتہ نظر سے کہ تمام مذاہب حقہ کے بنیادی اصول (دین) ایک تھے۔ ان کی صداقت پر ایمان لائیں اور آپ کے اس عظیم الشان حکم نے نوع انسان کے لئے اتحاد و رواداری کی ایک ایسی وسیع، معقول اور عظیم بنیاد مہیا کر دی جس پر تمام مذاہب عالم کے اتحاد کا محل تعمیر ہو سکتا ہے۔

وحدتِ انسانیت

پیغمبر اسلام سے پہلے مذہبی تفریق کے علاوہ دنیا میں بیشمار تفریقیں پھیلی ہوئی تھیں بعض زمینیں مقدس سمجھی جاتی تھیں، اور وہاں کے باشندے اپنے آپ کو بڑا اور دوسروں

حقیر و ذلیل خیال کرتے تھے۔ دوسرا فتنہ ذات پات کا تھا۔ بعض خاندان پیدائش کے دن ہی سے اپنے کو شریف اور پاک اور دوسروں کو نجس اور ناپاک سمجھتے تھے۔ ایسی ہی ایک تفریق حکومت و سیاست کے نام پر پیدا کی گئی تھی۔ بادشاہ اپنے آپ کو خدا سمجھتے تھے اور دوسروں سے سجدے کراتے تھے۔ بعض کا دعویٰ تھا کہ ہمارے سوا کوئی دوسرا وید یا (علم) نہیں پڑھ سکتا بعض مدعی تھے کہ سپاہ گری اور حکمرانی ہمارے ہی لئے مخصوص ہے۔ اور ہمارے ہمسائے ان نعمتوں سے مستفید نہیں ہو سکتے۔ مذہبی پیشواؤں کی حالت ان سب سے بڑھ کر تھی۔ وہ اپنے پیروؤں کو جنت کی سندیں لکھ دیتے تھے، اور نذرانے لے کر اُن کے گناہ معاف کرتے تھے۔

بنی اسرائیل اپنے کو خدا کا کنبہ کہتے تھے، ہندوؤں میں برہمن خدا کے منہ سے، کشتری اس کے بازوؤں سے اور شودر ان کے پاؤں سے پیدا ہوئے تھے۔ اہل روم اپنے آپ کو بادشاہی کے لئے اور غیر قوموں کو غلامی کے لئے خاص سمجھتے تھے۔ عیسائیوں میں کالوں کے گرجے الگ تھے اور گوروں کے الگ۔ بعض قوموں کو سڑکوں پر چلنے کا حق حاصل نہ تھا۔ برہمنوں کے لئے قانون اور تھا اور شودروں کے لئے اور۔ سب سے بڑی خرابی یہ تھی۔ کہ انسان کو اپنا درجہ اور رتبہ معلوم نہ تھا، اس واسطے وہ ذرا ذرا سی بات پر درختوں، دریاؤں، قبروں، پتھروں اور دوسرے انسانوں کے سامنے گریاتا تھا اور اُن سے اپنی حاجات چاہنے لگتا تھا۔

انسان کا درجہ

پیغمبر اسلام نے اپنی دین کے ذریعہ سے دنیا کو یہ نکتہ سمجھایا۔ کہ انسان اس عالم خلق کی تمام مخلوقات سے زیادہ اشرف اور برتر ہے۔ وہ زمین پر خدا کا خلیفہ ہے۔ وہ بہترین قواے اور قابلیت کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے۔ اس دنیا میں جو کچھ ہے۔ وہ سب اس کی خدمت اور فائدہ کے لئے ہے۔ سب انسان خدا کے بندے ہیں، باہم بھائی بھائی اور پیدائش اور فطرت کے اعتبار سے برابر ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کی دینی، خاندانی، مذہبی اور سیاسی تفریقات کو جو باطل پر مبنی تھیں، باطل قرار دیا۔ اور مدعیان امتیاز سے مخاطب ہو کر فرمایا :-

بل انتم بشر ممن خلق ۔ تم بھی خدا کی مخلوق میں انسان ہو۔

اور امتیازات کی تمام دیواریں گرا کر عمل اور نیکی کی طرف ایک بڑائی کو قائم کر دیا۔

يَاۤ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ — اے انسانو! ہم نے تم کو خاندان اور قبیلے بنا کر اس لئے پیدا کیا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بیشک خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کا لفظی دعویٰ تو یہی تھا کہ تمام انسان ایک آدم سے پیدا ہوئے ہیں لیکن ان کا عمل اس کے خلاف تھا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل اور اپنی معاشرت سے مساوات عامہ اور وحدت انسانی کی بنیاد قائم کی۔ اور مغرور عربوں کے سب سے بڑے مجمع میں کھڑے ہو کر فرمایا:۔

ان اللہ اذھب عنکم عصبیۃ الجاھلیۃ — اللہ نے جاہلیت کا غرور اور باپوں پر فخر کا دعویٰ، باطل کر دیا

وفخرکم بالاباء کلکم بنو آدم وآدم من تراب۔ — تم سب ایک آدم کے بیٹے ہو۔ اور آدم مٹی سے تھا۔

عرب کو عجم پر، عجم کو عرب پر، گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر جو امتیاز تھا۔ آج باطل ہو گیا۔ اور اعلان ہوا:۔

لا فضل للعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی — عرب کو عجم پر فضیلت نہیں اور نہ عجم کو عرب پر، نہ گورے کو کالے

لا فضل لاحمر علی اسود ولا اسود علی احمر — پر فضیلت ہے۔ اور نہ کالے کو گورے پر۔

وحدت دین و دنیا

انسانی تفریق کی ایک اور بڑی بنیاد یہ تھی۔ کہ اسلام سے پہلے لوگ یہ سمجھتے تھے۔ کہ دین اور دنیا دو جدا جدا چیزیں ہیں۔ دین کا دائرہ الگ ہے۔ اور دنیا کا الگ۔ جب تک دنیا کو ترک نہ کیا جائے۔ انسان نجات نہیں پا سکتا۔ اسی اصول کی بنا پر اولاد آدم دو مستقل حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ ہر ایک قوم اور مذہب کے پیرو، سادھو، سنیاسی، بھکشو، لاوی، راہب اور تارک کا لباس لے کر دنیا سے الگ ہو جاتے تھے۔ اور جنگلوں اور پہاڑوں میں تجرد کی زندگی بسر کرتے تھے

یہودیوں کی ایک جماعت آخرت سے منکر تھی، وہ دنیا ہی کو سب کچھ جانتی تھی۔ عیسائیوں نے اپنے لئے دو حکمران خدا اور قیصر مقرر کرلئے تھے۔ اور ان کا عقیدہ تھا۔ جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو اور جو قیصر کا ہے، وہ قیصر کو دو۔

پیغمبر اسلام نے اس تفریق کو باطل کرکے دنیا کو یہ نکتہ سمجھایا کہ بہترین اصولوں پر زندگی بسر کرنا ہی دین و دنیا کی بہبودی اور سرخروئی کا سرچشمہ ہے، دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ حقیقی دیندار اور مستحق نجات وہی ہے، جو اپنی دنیا کو اچھے اصولوں پر برتے، آپ نے تعلیم دی کہ اگر انسان کا نقطہ نظر صحیح ہو۔ تو دین اور دنیا کا فرق مٹ جاتا ہے۔ وہی حکومت اور سلطنت جو دنیوی ترقی کی انتہا ہے۔ اگر عدل وحق پر قائم ہو تو دین ہو جاتی ہے۔ اگر مال جمع کرکے غریبوں کی حمایت اور مصیبت زدوں کی امداد میں خرچ کیا جائے تو دھرم ہے۔ اگر اپنے آپ کو فنا کرنا مظلوم کی حمایت وحفاظت میں ہو تو وہ شہادت ہے۔ لیکن اگر یہی حکومت اور دولت اور موت، ظلم، خود غرضی اور فساد کے لئے ہو تو ہمیشہ ہمیشہ کی لعنت ہے،

آپ نے فرمایا کہ دین اور نجات جنگلوں میں نہیں ہے۔ بلکہ دنیا میں رہ کر دنیا کی خدمت کرنے میں ہے۔ اور دین اور دنیا کے علمبرداروں کو ایک مرکز پر جمع کردیا۔ یہ ہے وہ پاک بلند اور عظیم الشان تعلیم جو حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش کی ہے تاکہ دنیا کی تمام قومیں اور ملتیں اتحاد واخوت کی زندگی بسر کریں۔ اب یہ فرض انصاف پسند اور باضمیر انسانوں پر عائد ہوتا ہے۔ کہ وہ سر جھکا کر اس پاک اور بے لاگ سچائی کو تسلیم کریں۔ اور نیکی محبت، اتحاد اور عزت کی اشاعت میں پیغمبر اسلام کا ساتھ دیں

ثنائی برقی پریس امرتسر میں ابو رضا عطاء اللہ پرنٹر نے چھاپا اور عبدالمجید پبلشر نے دہلی سے شائع کیا